خاموش دستک
رضیہ سبحان قریشی

رضیہ سبحان قریشی بیک وقت استاد شاعرہ اور مصورہ ہیں۔ استاد ہونے کی حیثیت سے ان کو انسانی رویوں کے سمجھنے میں بڑی سہولت میسر ہے۔ مصورہ ہونے کی وجہ سے وہ اپنے خیالات کی تصویریں ذہن کے کینوس پر اُتارتی رہتی ہیں اور شاعرہ ہونے کی حیثیت سے وہ ان تصویروں کو جذبات کی رنگ آمیزی سے شعری صورت میں کاغذ پر منتقل کرتی ہیں۔ ان تصویروں میں انسانی رویوں کی پوری عکاسی ہوتی ہے۔ ان رویوں میں معاشرتی، معاشی، سیاسی عقائد پیدا ہونے والے سارے جذبات شامل ہیں۔

رضیہ سبحان قریشی غزل کی جدید حیثیت سے پورا پورا فائدہ اٹھاتی ہیں اور وہ مترنم بحروں اور سبک لفظوں میں اس حیثیت کو سامع اور قاری تک پہنچاتی ہیں۔ وہ انگریزی کی استاد ہیں ان کی شاعری میں مغربی جذبات نگاری کے اثرات بھی صاف نظر آتے ہیں۔ خاص طور پر نظموں میں اس سے بھی ان کی شاعری کا تناظر وسیع ہو گیا ہے اور اس طرح ان کی شاعری آفاقی پس منظر رکھتی ہے۔

محبت کا سوز شاعری کا بنیادی عنصر ہے اس سوز کی دھیمی آنچ بھی رضیہ قریشی کی شاعری کو زیادہ پُر تاثیر بناتی ہے۔

'خاموش دستک' رضیہ سبحان قریشی کا دوسرا شعری مجموعہ ہے۔ پہلے مجموعہ 'سرد آگ' پر ان کو تین انعامات مل چکے ہیں۔ یقین ہے کہ یہ مجموعہ بھی ان کے انعامات کی فہرست کو مزید طویل کر دے گا۔

حضرت تابش دہلوی

انکی خاموشیوں کو دستک دو
جن کو یہ شور میں سُنائی دے

خاموش دستک

دوسرا شعری مجموعہ

•

رضیہ سبحان قریشی

مجموعہ کلام : خاموش دستک (دوسرا شعری مجموعہ)

شاعرہ : پروفیسر رضیہ سبحان قریشی

سن اشاعت : ۲۰۰۲ء

کمپوزنگ : اسپراؤٹ کمپوزنگ گلشن اقبال

ترتیب و تزئین : مرتضیٰ شریف

زیر اہتمام : نیشنل رائٹرز فورم کراچی۔ فون: 4967066

قیمت : 160 روپے

رابطہ کیلئے : A-374 'بلاک۔D' نارتھ ناظم آباد کراچی

فون نمبر۔ 6631181

انتساب

میرے بچے

•

میرے بچے قد میں مجھ سے اُونچے ہیں
بات میں مجھ سے سچے ہیں
قول کے اپنے پکے ہیں
کام میں مجھ سے اچھے ہیں
مجھ کو زعم نہیں یہ میرے بچے ہیں
بلکہ مجھ کو فخر ہے میں ہوں انکی ''ماں''

فہرست

مضامین

غزلیں

نظمیں

خاموش دستک۔ میری نظر میں

ہر چند یہ انگلش کی پروفیسر ہیں
اُردو کی بھی شاعرہ ہیں "رضیہ سبحان"
مجموعہ ہے زیرِ طبع، سبحان اللہ
ہونے کو ہے منزلِ اشاعت آسان
مجموعے میں، غزلیں بھی ہیں نظمیں بھی ہیں
اللہ کے فضل سے دُوچند ہے اس کی شان
یہ نام ہے بامعنی و پُرمغز جناب
خاموش ہے دستک نہ ہوں اس پر حیران
رضیہ کا یہ مجموعہ ہو مقبولِ جہاں
اللہ کا مزید ان پر ہو فضل و احسان
محنت کا ثمر ان کو بہت جلد ملے
تاخیر کا باقی نہ ہو کوئی امکان
مجھ سے یہ کہا ہے مرتضٰی صاحب نے
اوصاف و محامد میں کروں ان کے بیان
ارشاد کی مرتضٰی کے یہ ہے تعمیل
اس نظم کی راغب ہے بہت سہل زبان

راغب مرادآبادی
(قلم برداشتہ)

۳۰ جون ۲۰۰۲ء

قطعہ

کبھی تو میری محبت کا سدِ باب کرو
تم اپنے سارے گناہوں کا احتساب کرو
ولے یہ بات تو ممکن نہیں مگر پھر بھی
جو ہو سکے تو میرے درد کا حساب کرو

دھیمے لہجے کی پُر اعتماد شاعرہ رضیہ قریشی

واصل عثمانی......امریکہ
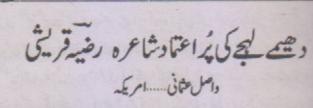
شعر و غزل سے کسے دلچسپی نہیں ہوتی یہ اور بات ہے کہ افراد و اشخاص مختلف طبائع کے ہوتے ہیں کسی میں یہ ذوق و شوق کم اور کسی میں زیادہ پایا جاتا ہے مگر اچھی غزل اور اچھا شعر ہر ایک کو پسند آتا ہے۔ شعر کہنا آسان سہی مگر اچھا کہنا ہر ایک کے مقدر کا مقدم نہیں۔ اگر قدرت نے کسی کو شعر کہنے کی صلاحیت عطا کی ہے تو تھوڑی سے توجہ اور غور و فکر سے اچھا شعر کہنا اس کے لیے کوئی امر محال نہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ شعر کہنے میں خونِ دل صرف کرنا ہی پڑتا ہے' البتہ اچھے شعر کی تخلیق میں دل و دماغ دونوں کے باہمی اشتراک کا ہونا از بس ضروری ہے۔ صرف خوبصورت الفاظ کو موزونیت کا جامہ پہنا کر شعر کہہ دینا شعریت کی توہین ہے۔ اثر انگیزی' دل سوزی اور مضمون آفرینی شعر کی اصل روح ہے۔ جس شاعر کے کلام میں یہ خصوصیات پائی جاتی ہیں اس کے لیے قبول عام اور بقائے دوام کی منزل کا حصول بہت آسان ہوتا ہے۔ "خاموش دستک" ایسے ہی خوبصورت اشعار پر مشتمل شعری مجموعے کا نام ہے جس کی اثر انگیزی اور دلپذیری اپنے قاری کو مایوس نہیں ہونے دے گی اور رضیہ کے شعری مرتبہ اور ادبی مقام کو بلند کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوگا۔

اس عہد میں اُردو کو جو مقبولیت ساری دنیا میں مل رہی ہے اس سے انکار کی گنجائش نہیں۔ امریکہ سے آسٹریلیا تک اُردو سمجھی اور بولی جاتی ہے۔ خاص طور سے شعراء اور شاعرات کی جیسی اور جتنی پذیرائی ہوتی ہے ایسی پذیرائی کسی اور زبان کو نصیب نہیں۔ دراصل یہ شعراء کی وہ جد و جہد اور تخلیقات ہیں جن میں ہر قسم کے موضوعات اور خیالات کو اس حسن و خوبی سے پیش کیا جاتا ہے کہ سامعین اور قارئین کو ان میں اپنے دل کی دھڑکنوں کا احساس ہوتا ہے اور اس طرح سے ان کو اس میں قلبی طمانیت اور ذہنی سکون کی فضا میسر آتی ہے۔

غزل نظم، گیت، حمد، نعت، مرثیے اور اُردو زبان میں ملبوس جاپانی صنفِ سخن ہائیکو وہ اصنافِ سخن ہیں جن کی افادیت اور اہمیت پر ایمان لائے بغیر شاعری کے سدرۃ المنتھیٰ تک رسائی ممکن نہیں۔ غزل اُردو شاعری کی ایک ایسی مقبول ترین صنفِ سخن ہے جسے ماہ و سال کی گرد دھندلا نہیں سکی بلکہ اس کی طویل عمری اس کے خط و خال پر روز بروز حسن و جمال کی کرنیں نچھاور کرتی رہتی ہے۔ ابتداء سے آج تک غزل پر آثارِ ضعیفی کے بجائے عالمِ شباب کا خورشید اپنی آب و تاب سے جگمگا رہا ہے۔ اُردو کی تاریخ گواہ ہے کہ تین چار سو سال سے غزل بنتی، سنورتی، نکھرتی اٹھلاتی اور غمزے دکھاتی آگے ہی بڑھتی چلی جارہی ہے اور اپنی لازوال دلکشی و دلفریبی کے جال میں ہر صاحب ذوق کو گرفتار کر کے رقص کناں ہے بغیر اس کے ادبی محفل سونی ویران اور بے جان ہوتی ہے کسی شاعر کی شاعرانہ صلاحیت پرکھنے کے لیے اس کی غزل کے اشعار کی نشتریت سے ہی اندازہ لگایا جاتا ہے۔ غزل کا صوتی حسن و جمال اور اس کی دلکشی و دلفریبی مشاعروں کی حد تک تو ترنم کے لباس میں قابلِ توجہ اور صد ستائش ہوتا ہے مگر غزل کا ابدی کیف و سرور الفاظ کے در و بست اور خیالات کے مناسب طریقۂ اظہار سے ہوتا ہے۔ شعری تخلیقات میں غزل کی برتری، اہمیت اور دلکشی سے انحراف نہیں کیا جاسکتا یہ صرف اس کا خوبصورت، دلنشیں تاثراتی انداز ہی تو ہے جو اسے آفاقیت کے بام و عروج پر لے جاتا ہے۔ یہ ایک ایسی جاندار اور پائیدار صنف ہے جو شاعر کے بساطِ ارضی سے اٹھ جانے کے بعد بھی اسے اصحابِ ذوق کی محفلوں میں زندہ رکھتی ہے۔ ولی دکنی سے اطہر نفیس اور عزیز حامد مدنی تک اپنی غزلوں کے حوالے سے آج بھی زندہ و پائندہ ہیں۔ نسلِ آدم کی کسی ایک صنف کو اس پر اجارہ داری کا حق حاصل نہیں، مرد اور خواتین سب نے باہمی تعاون اور مشترکہ جدوجہد سے اس کی پرورش و پرداخت میں حصہ لیا ہے۔ موجودہ دور میں کوئی ادبی محفل یا مشاعرہ بغیر خواتین شعراء کی شرکت کے نامکمل اور بے رنگ تصور کیا جاتا ہے۔ دراصل بات یہ نہیں کہ ان کا وجود کائنات میں رنگارنگی پیدا کرنے کا کامیاب وسیلہ ہے بلکہ اچھے شعر لکھنا صرف مردوں کا حق ہو کر نہیں رہ گیا۔ اس عہد میں خواتین نے بھی مردوں کے شانہ بشانہ رہ کر اتنے نفیس اور معیاری شعر کہے ہیں کہ موجودہ عہد کی اُردو تاریخ

بھی انہیں فراموش نہیں کر سکتی۔ خواتین نے اُردو شاعری میں اپنی بھرپور نمائندگی بڑے
جذبے اور ولولے' خلوص و صداقت سے کی ہے اور غزل کے تاثراتی حسن میں نکھار پیدا کر دیا
ہے۔ ایسی ہی شاعرات کے ضمن میں رضیہ قریشی کا ذکر میں از بس ضروری سمجھتا ہوں۔ ہر چند
کہ وہ مشاعروں میں بہت کم شرکت کرتی ہیں مگر اپنی تخلیقی صلاحیت کو بروئے کار لاتے
ہوئے بڑی مستعدی' استقامت اور اعتماد سے شعر کہتی رہتی ہیں۔ شعر کہنے میں اپنی علمی
قابلیت اور ذہنی بصیرت کا خاطر خواہ ثبوت پیش کرتی ہیں۔ آپ کافی پڑھی لکھی خاتون ہیں۔
انگریزی ادب کا وسیع مطالعہ ان کی شناخت اور پہچان ہے۔ مقامی کالج میں صدر شعبۂ
انگریزی ہیں۔ ہر چند کہ ان کا دائرہ تعلیم انگریزی زبان اور ادب ہے تاہم اردو ادب خصوصاً
غزل سے ان کو والہانہ عشق ہے۔ رضیہ سبحان قریشی کے اشعار کے مطالعہ سے جو اکثر اوقات
معروف رسالوں میں بھی شائع ہوتے رہتے ہیں۔ یہ احساس ہوتا ہے کہ ان کے یہاں جو
ہر قابل پایا جاتا ہے انہیں کسی بیساکھی یا خفیہ پشت پناہی اور بیرونی امداد کی ضرورت نہیں۔
ان کے لہجے میں اعتماد کی جو کیفیت پائی جاتی ہے وہ ان کی قادر الکلامی اور شگفتہ بیانی کی
غمازی کرتی ہے۔ اپنے اس تخلیقی سفر میں انہوں نے اپنے لہجے کے معیار کو روبہ زوال ہونے
سے محفوظ رکھ کر اپنی انفرادیت برقرار رکھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شعر و سخن کی دنیا میں ان کا
تعارف ایک سنجیدہ غزل گو کی حیثیت سے ہو رہا ہے۔ ان کی شاعری جذب و کیف کی صفات
سے مزین ہے۔ ان کا ذہن کسی بھی وقت تخلیقی کاوش سے گریز نہیں کرتا وہ موجودہ شاعری کی
اندھی دوڑ میں اپنی فنکارانہ صلاحیت کو مجروح کرنے سے باز رہتی ہیں۔ یکسوئی' خلوص اور
بڑے اعتماد کے ساتھ فن کی ریاضت میں اپنے دل کے ساتھ ساتھ دماغ سے کام لیتے ہوئے
ایسے شعر لکھتی ہیں جن سے ان کی پروقار شخصیت اور علمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ دیرینہ
روایات کی پاسداری ان کے فن کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ وہ سستی شہرت کے لیے ہیجان
پرور اور مشاعرہ افروز اشعار لکھ کر داد سمیٹنے کی ہوس نہیں رکھتیں۔ وہ حدیثِ دل کے ساتھ
ساتھ حدیثِ دیگراں لکھ کر اپنے قاری کو چونکا دینے کے فن سے واقف ہیں۔ ان کی شاعری
میں معاشرتی' معاشی اور تہذیبی روایات اور ماحول کی عکاسی نمایاں ہے۔ ان کا لہجہ دھیما او

بڑا دلگداز ہے
ان کے اشعار دل کے تاروں کو جھنجھنا دیتے ہیں۔ صرف قافیہ پیمائی اور بیت برائے بیت کا ان کے یہاں شائبہ تک نہیں ہوتا۔ تعلقات عامہ کی اثر پذیری سے کوسوں دور رہ کر وہ جو کچھ بھی لکھ رہی ہیں وہ اہل دانش وبینش کو غور وفکر کا موقع عنایت کرتا ہے۔ خود فرماتی ہیں۔

ہم جو زخموں کی نمائش کرتے
پھر کہاں لوگ ستائش کرتے

نمود ونمائش اور اس کے بے جا ہوس سے انہیں گریز ہی نہیں بلکہ نفرت ہے اسی لیے تو اپنے غم کا اظہار بھی اسی طور سے کرتی ہیں کہ شعر کے مفہوم کی ترسیل ہو جاتی ہے مگر اس کا ڈھنڈورا نہیں پٹتا اور نہ سینہ کوبی وماتم زنی کی فضا وجود میں آتی ہے۔
ان کی شاعری میں خیال آفرینی اور اثر انگیزی کا جو ہر ایسا وصف ہے جو آج کل کی ناپائیدار سستی شہرت والی شاعری جس میں کاتا اور لے دوڑی والی کیفیت کا جز عادا عظم کی شکل رکھتا ہے سے پاک ہے۔ سادے مگر پُر مغز الفاظ میں اپنے خیالات واحساسات ادا کرنے کا انہیں فن آتا ہے۔ وہ اپنی شاعری کو عبادت کا درجہ دیتی ہیں۔ یہی سبب ہے کہ وہ ریاضت فن کو اپنی واجبات زندگی میں تصور کرتی ہیں۔ اپنے جذبے کے اظہار کے لیے انہیں الفاظ کی تلاش اور جستجو کے دروازے پر کاسہ گدائی لیے انتظار کی ساعت نہیں گنوانی پڑتی کیونکہ ان کی تحویل حافظہ میں ایسے خوبصورت الفاظ ہوتے ہیں جن سے وہ اپنی غزل کے بام ودر کی آرائش وزیبائش کرتی ہیں اور اس طرح ان کے قاری کو کبھی یہ گمان نہیں گذرتا کہ بیان میں شگفتگی کا فقدان ہے یا جو بات کہی گئی ہے وہ صحیح طریقے سے ادا کی جا سکی۔
رضیہ کے رگ وپے میں محبت بسی ہوئی ہے۔ اس کی تصدیق اس لہر سے کی جا سکتی ہے کہ ان کا تخلیقی سرمایہ خلوص ومحبت کے بیش بہا جواہرات سے معمور ہے۔ ان کی شاعری کا رچاؤ ان ہی جذبات سے ہے۔ جس کے اظہار کے لیے وہ اپنے قلم کی جنبش کبھی روکتی نہیں اور جب کہیں محبت وخلوص کا ذکر ہو تو لازماً اس میں تنہائی، دل شکنی، بیوفائی، تغافل، تجاہل عارفانہ لمحۂ ہجر ووصال کا ذکر نہ آنا ایک انہونی سی بات ہو کر رہ جاتی ہے۔ محبت ہر انسان کی بنیادی

ضرورت ہے اور جہاں کہیں اور جب کبھی اسے اپنے محبت کے اعتراف کا سراغ نہیں ملتا وہیں احساس شکست، محرومی اور مایوسی کی فضا اپنی کارگزاری دکھاتی ہے۔ رضیہ کے کلام میں احساس شکست اور محرومی کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔

میں اپنے حسن تکلم سے جیت لوں اس کو
ستم تو یہ ہے کہ وہ مجھ سے بولتا کب ہے

مرے اندر کی دیواریں گری ہیں
بظاہر میں حصارِ بے کراں ہوں

جس میں گھر جیسی کوئی بات نہیں
اس مکاں میں رہیں کیں کب تک

وہ دور گیا جب مجھے دنیا کی طلب تھی
اب دل کو کسی چیز کی حاجت نہیں ہوتی

نہ جس کی مانگ نہ خواہش نہ آرزو نہ طلب
چمن میں پھول اک ایسا اگر کھلا تو کیا

عمر بھر کے لیے ہوئے باہم
ایک میں ایک میری تنہائی

آپ کی شاعری زندگی کے معاملات اور تجربات کی حقیقی آئینہ دار ہے، تلخ حقائق کو اس کے صحیح رنگ میں پیش کرنے کا جو دھیما اور پُر اعتماد لب ولہجہ رضیہ نے اختیار کیا ہے وہ قابل تعریف بھی ہے اور قابل صد ستائش بھی۔ وہ لفظوں کی طلسماتی قوت سے آشنا ہیں اور ان کے مناسب استعمال پر قدرت بھی رکھتی ہیں۔ جیسے وہ فنکارانہ انداز میں استعمال کر کے ایک تاثراتی فضا قائم کرتی ہیں اور اس طرح یہ تاثراتی فضا قاری کو اپنے سحر میں گرفتار کرنے کی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتی۔ ان کی کوشش یہ ہوتی ہے۔ کہ شعری فضا اور اس کی ہم آہنگی مجروح نہ

ہوتا کہ خیالات ومحسوسات کی آئینہ داری میں کوئی مشکل نہ درپیش ہو۔ وہ لفظوں کے ذریعہ شاعری کی بڑی خوشگوار فضا قائم کر کے اپنے تجربات اور محسوسات کے ابلاغ کا حسین فریضہ اس طور سے ادا کرتی ہیں کہ ذوق وجدان داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ وہ مصورہ ہیں اور ایک ایسی مصورہ جسے الفاظ کے ذریعہ دل ودماغ کو متاثر کرنے والی ایسی تصویر سینۂ قرطاس پر ثبت کردینے کا ہنر آتا ہے جس سے لطف اندوز ہو کر اس کا قاری کسی تصوراتی ماحول میں رقص کناں ہو جاتا ہے اور اسے اپنے کانوں میں ایسی سریلی دھن محسوس کرتا ہے جس کی ابتدائی اور انتہائی حدود نغمگی سے عبارت ہیں۔

نیند اکثر یوں بھی ہم کو آ گئی
آنکھ تک جھپکی نہیں ہم سو گئے

زندگی کس قدر اکیلی ہے
ہر کوئی ہے مگر۔ نہیں کوئی

ہجر میں اس کے عمر بیت گئی
دے کے جو لمحۂ وصال گیا

ان کی خاموشیوں کو دستک دو
جن کو یہ شور میں سنائی دے

وہ جو مثلِ سکوت شام ملے
ہم بھی اک سازِ بے صدا سے رہے

رضیہ کو بات کہنے کا سلیقہ آتا ہے۔ علاوہ ازیں دبے لفظوں میں اپنی اہمیت جتا دینے کا انداز بہت ہی پرتاثیر اور جاذب توجہ ہوتا ہے۔ شکستہ دلی، محرومی اور مایوسی کے عالم میں بھی انہوں نے بڑے لطیف پیرائے میں اپنی اہمیت کا احساس دلا کر مخاطب کی کم ظرفی اور جاہلیت

کا جس طرح اظہار کیا ہے وہ انہیں کا حصہ ہے ملاحظہ کیجئے۔

پتھر کی طرح جس نے مجھے ماری ہے ٹھوکر
دعویٰ تھا اسے ہیرے کی پہچان بہت ہے

رضیہ کے پرواز تخیل کی داد دینی پڑتی ہے' جب ان کے ان اشعار پر نظر جاتی ہے۔

یہ رتجگوں کی تھکن جسم کو تھکا دیتی
اگر یہ چاند سرِ نیم شب نہیں ہوتا

سمندر میں ابھی ہیں کتنے طوفان
یہ ساحل کو بھی اندازہ نہیں ہے

بہت ہے تیز آندھی آنے والی
کہ طوفان کے سبھی آثار چپ ہیں

تجھ کو بھی چھوڑ دوں یہ متاعِ جہاں تو کیا
جب آبرو کی بات انا کا سوال ہو

سناٹا گلی کا میری وحشت کا سبب ہے
اور شور مری ذات کا سونے نہیں دیتا

ذہن میں جب مری تصویر سمائی ہوگی
پھر کسی پہلو تجھے نیند نہ آئی ہوگی

اگر مجھ سے دریافت کیا جائے کہ ان کی شاعری کا بنیادی حوالہ کیا ہے تو میں بھی عرض کروں گا کہ محبت' محبت اور صرف محبت اور جب محبت اپنی آخری منزل پر پہنچ جاتی ہے تو وہ 'عشق' میں منتقل ہو کر ایک ابدی حقیقت کا روپ اختیار کر لیتی ہے جس کا اظہار قلم و قرطاس کی محدود کائنات میں محال ہے۔

ورق ورق پہ مری زندگی کے لکھا ہے
وہ ایک نام اسے وقف باب کیا کیجئے

جس گھڑی مجھ کو بھولنا چاہو
یاد اس روز بے حساب کرو

جس کی تعبیر یہاں مل جائے
مجھ کو وہ خواب دکھا دے کوئی

عشق کی اس کیفیت کا اندازہ اہل دل اور سالکانِ راہ منزل ہی کر سکتے ہیں۔ کیونکہ اظہار عشق پر ہزار دسترس کے باوجود اپنے عجز بیان کا شکوہ ہی رہتا ہے۔ سب کچھ کہہ جانے کے بعد بھی نا دا قتی گفتار کی چبھن اور خلش دل و دماغ پر ملامت کرتی رہتی ہے۔ ورق در ورق تفسیر حدیث دل رقم کرنے پر بھی طمانیت قلب عنقا رہتی ہے۔ رضیہ کا مجموعۂ کلام اس کی بین شہادت ہے۔ ان کے یہاں تہذیبی روایت کا جو معیار و مزاج ہے وہ قابل صد ستائش ہے۔ سستی شہرت کی خواہش نے کبھی حصار شرافت توڑنے کا حوصلہ نہیں کیا کیونکہ اس سے شرم و حیاء ادب و آداب کے ایوانوں میں زلزلے کی سی کیفیت رونما ہو جانے کا خطرہ رہتا ہے۔ متانت و سنجیدگی ان کے اشعار کے اصلی جوہر ہیں جس طرح ان کی شخصیت ایک پر وقار اعتماد کی حیثیت سے جانی پہچانی جاتی ہے اسی طرح ان کی شاعری میں بھی ایک مہذب فضا اور دلکش ماحول ملتا ہے۔ خصوصاً ان کا یہ گیت جس کے چند بند نذر قارئین کیے جا رہے ہیں۔ میرے بیان کی صداقت میں پیش کیے جا سکتے ہیں۔

''گیت''

اک عمر میں اچھا لگتا ہے

اب شام ڈھلی تم آئے ہو
اُلفت کے سندیسے لائے ہو
کچھ گھبرائے پچھتائے ہو
جو دل میں روگ چھپائے ہو

ہر وقت ہی اچھا لگتا ہے
اک عمر میں اچھا لگتا ہے

وہ وقت گیا وہ بات گئی
وہ سپنوں کی بارات گئی
ارمانوں کی سوغات گئی
وہ صبح گئی وہ رات گئی

جس پل کو دل یہ ترستا ہے
اک عمر میں اچھا لگتا ہے

میرا خیال ہے ان کی طالبات کی فرمائش پر یہ نظم سپردِ قلم کی گئی ہے۔ جس سے ان کی متانت بردباری اور سنجیدگی کا اظہار ہوتا ہے۔ ان کا پہلا مجموعۂ کلام 'سرد آگ' کے عنوان سے منظرِ عام پر آ کر اہلِ علم سے دادِ تحسین حاصل کر چکا ہے۔ اب دوسرا مجموعہ ''خاموش دستک'' اشاعت کے آخری منزل طے کر رہا ہے۔ ان کی شاعرانہ صلاحیت کا اعتراف حضرت تابش دہلوی اور سحر انصاری جیسے مستند شاعر و ادیب ان کے پہلے مجموعے کی اشاعت پر کر چکے ہیں۔ اُمید ہے کہ 'خاموش دستک' نقش اوّل سے زیادہ مقبول ہو کر اصحابِ علم و شعر و سخن کی توجہ کا مستحق ٹھہرے گا۔ ان کے نئے مجموعۂ کلام میں شگفتگی اور تازگی کی کیفیت پوری طرح سے جلوہ گر ہے جس سے یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ان کے یہاں علم و آگہی کے نئے باب وا ہو رہے ہیں اور ان کے اس علمی سفر کی پیش رفت عروج و کمال کی رہگذر پر ہے۔

خاموش دستک کی خاموش طبع شاعرہ

ثاقب انجان

ہمارے دور کے جدید شعراء کا کہنا ہے کہ قدیم شعراء تبصرہ نگار نقاد دانش ور لکیر کے فقیر ہیں جو نئے تقاضوں کو بالکل نہیں سمجھتے' حالانکہ حال کی بنیاد ہمیشہ ماضی کی زمین سے اٹھتی ہے اور حال کا کوئی تذکرہ ماضی کو نظر انداز نہیں کرتا۔

جدید شعراء کے جواب میں روایتی غزل گو شعراء کو شکایت ہے اور اس پر مصر ہیں کہ غزل میں بے مقصدی اور بے معنویت برداشت نہیں کی جا سکتی۔

ابہام اپنی جگہ حسن سہی لیکن شعرا اگر اپنے حُسنِ ابہام سے شاعر کی مافی الضمیر کو سامعین کے سامنے نہ لے آئے وہ ابہام ہرگز حُسنِ ابہام نہیں بلکہ ایک روپ ہے بے معنویت اور لغویت کا۔ حالانکہ نہ تو ہر جدید شاعر اور ادیب بے معنویت کی دلدل میں پھنسا ہوا ہے اور نہ ہر قدیم شاعر جدید حسن سے بے خبر ہے۔

جو جدید شاعر الفاظ کے گورکھ دھندے کی خرید وفروخت کرتے ہیں۔ وہ شاعر نہیں کاریگر ہیں اور جو قدیم شاعر ہنوز مانگ چوٹی' ابرو خنجر اور رقیب کے چکر میں پھنسے ہوئے ہیں وہ واقعی وقت کے تقاضوں سے بے بہرہ ہیں۔ ایک گروہ میں جدید نظریات کا فقدان اور دوسرے گروہ کے اظہار خیال اور طرز بیان میں جان معلوم نہیں ہوتی۔

جدید ادب کے منہ زور لوگ اپنے مقاصد دوسروں تک پہنچانے کی زحمت گوارہ نہیں کرتے چنانچہ ایک الفاظ کا جال اور الجھے ہوئے خیالات کا طلسم عام ہوتا جا رہا ہے۔ بہت کم لوگ ایسے ہیں جن کے یہاں خیال اور بیان میں الجھاؤ نہیں بلکہ وہ جدید لکھنے والوں میں مقصدیت کی روح داخل کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں اور یہی لوگ ہیں جن کو جدید نظریات کو لفظوں میں ڈھالنے کا سلیقہ اور قدیم زبان و حُسنِ بیان میسر آتا ہے۔ اور اس دھواں دھار ابہام کی نیم روشن فضا میں ابہامی خطوط اور ایمائی رنگوں کی زبان میں اپنے ماضی الضمیر کو بالکل

صاف اور واضح طور پر قارئین کے دلوں پر ثبت کرنے کا ہنر جانتے ہیں اور یہی گنے چنے لوگ صحیح معنی میں شاعر اور ادیب ہیں۔ میرے سامنے رضیہ سبحان صاحبہ کے مجموعۂ کلام 'خاموش دستک' کا مسودہ رکھا ہے اور ان کے کلام کو دیکھنے کے بعد میں سمجھتا ہوں خاتون میرے آخرالذکر شعراء کی صف میں آتی ہیں ان کے ذوق شعر کے متعلق بات یہ ہے کہ جہاں تک زبان و بیان کی سلاست وصفائی کا تعلق ہے وہ اپنے مقام پر شاعرات کی صف میں علیحدہ نظر آتی ہیں اور اس صنفِ نازک کے اشعار میں ایسی ہمت مردانہ کی گونج ہے کہ شاعرات اپنی جگہ بہت سے شعراء حضرات کے لیے بھی فصیل شہر ادب میں جدید فکر و نظر کے نئے نئے دَر وا ہو جاتے ہیں۔

ان کے یہاں واردات کا بیان ایک ساحرانہ حربہ بن جاتا ہے جو خوبصورت بھی ہے اور جان سوز بھی۔ رضیہ کے کلام کے مطالعہ کے بعد میں نے محسوس کیا کہ ہجوم عام میں تنہائی کا احساس۔ اور اس تنہائی میں کسی کے مجروح جذبات۔ اور بے رنگ بہاروں سے تراشے ہوئے پاکیزہ مضامین سے بھرپور خیالات 'شعور و آگہی' کے دروازوں کی زنجیریں بجاتے۔ فکر و نظر کے دریچے کھٹکھٹاتے اور وجد آفرین دُھن میں گنگناتے ہوئے اشعار دبستانِ ادب میں محوِ رقص نظر آتے ہیں۔ یہی وہ اشعار ہیں جو قارئین کے دل کی دھڑکنوں پر اپنا تاحیات مسکن تعمیر کر لیتے ہیں۔

ان کے چند اشعار

وہ کیا مرے لفظوں کی سچائی کو پرکھیں گے	جو اپنے ہی لہجے کی تاثیر گنوا بیٹھے
وہ اُس کا وعدہ فقط ریت پر لکھی تحریر	اور اُس کا جذب محبت سراب کی صورت
اک بوند بھی نصیب یہاں کس کو ہو سکی	اُس زہر کی جو سچ کے علمدار نے پیا
میری سخاوتوں کی حدیں مجھ تک نہیں	کرتی ہوں کائنات کی ہر شئے تمہارے نام
اشکِ رواں کے ابر نے موتی لٹا دیئے	ساون کی بھیگی رُت میں ترا نام جو لیا

کس قیامت کا تغزل ہے ان اشعار میں اور ایسے ہی کئی اشعار ان کے مجموعۂ کلام میں اپنی اپنی زمین کے چاند ستاروں کی طرح جگمگا رہے ہیں۔

خاتون کی نظموں کی متعلق صرف اتنا کہوں گا کہ ہر ایک نظم اپنی جگہ کامیاب ہے۔

خوب سے خوب تر کی جانب

ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی
ڈائریکٹر سندھ سوشل سیکورٹی

سیموئیل جانسن (Samuel Johnson) نے کہا تھا 'شاعری مسرت کو صداقت سے ہم آہنگ کرنے کا فن ہے'۔ میری ناچیز رائے میں یہاں مسرت سے مراد ذہن و دل کی آسودگی اور صداقت سے مراد اس ماحول کی ترجمانی ہے جس میں شعر کہا گیا ہے۔ یہی دو بنیادی فرائض شاعر اپنے کلام کے ذریعے معاشرے کے لیے انجام دیتا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو شعر میں صداقت کی ترجمانی کے بغیر قاری کے ذہن و دل کو آسودگی بھی فراہم نہیں کی جاسکتی اِلّا یہ کہ کوئی از خود 'جنت الحمقا' (Fools' Paradise) میں رہنا پسند کرے۔ اسی لیے حالؔی نے اپنے مشہور زمانہ 'مقدمۂ شعر و شاعری' میں لکھا تھا 'شعر میں جہاں تک ممکن ہو حقیقت اور راستی کا سررشتہ ہاتھ سے دینا نہیں چاہیے ...... جھوٹ' مبالغہ' بہتان' افترا صریح' خوشامد' ادعائے بے معنی' تعلّی بے جا' الزام لایعنی' شکوہ بے محل اور اس قسم کی باتیں جو صدق و راستی کی منافی ہیں اور ہماری شاعری کے قوام میں داخل ہو گئی ہیں ان سے جہاں تک ممکن ہو قاطبۃً احتراز کیا جائے'۔ حالؔی نے اپنے اس مشورے کو نہایت مہارت سے منظوم بھی کیا۔ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

وہ دن گئے کہ جھوٹ تھا ایمانِ شاعری
قبلہ ہو اب ادھر تو نہ کچھ نماز تو

جدید اردو شعرا کے کلام پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ انہوں نے معاشرے سے اپنا رابطہ برقرار رکھا ہے۔ (جو ایسا نہیں کرسکے وہ "جدید شاعر" نہ تھے اور زمانے نے انہیں حرف غلط کی طرح مٹا دیا)۔ وسیع النظر شعراء نے علامتی (بعض نے کھلم کھلا 'ملامتی') انداز میں وہی کچھ لکھا جو اُن کے اردگرد وقوع پذیر ہو رہا تھا۔ اس لیے کہ بقول

ڈاکٹر فرمان فتح پوری (' اردو شاعری اور پاکستانی معاشرہ ') شاعری معاشرے کے بطن سے جنم لیتی ہے اور معاشرہ اپنے سیاسی وسماجی عوامل و موثرات کے تحت لحہ بہ لحہ بدلتا رہتا ہے بالکل اسی طرح جیسے ہماری پسند و ناپسند کا مذاق بدلتا رہتا ہے۔'

قیام پاکستان کے بعد اُردو شاعری کے میدان میں ایک اہم پیش رفت یہ ہوئی کہ متعدد شاعرات نے معیاری کلام کے بل بوتے پر قارئین' سامعین اور ناقدین کے ایک بڑے حلقے سے اپنی اہمیت تسلیم کروائی۔ ان میں ادا جعفری' زہرا نگاہ' سعیدہ عروج مظہر اور پروین سید فنا جیسی سینئر شاعرات سے لے کر نئی نسل کی بے شمار شاعرات شامل ہیں جو اپنے اپنے انداز میں چمنستان شعر وسخن کی آبیاری کر رہی ہیں۔ محترمہ رضیہ سبحان قریشی جنھوں نے اپنے شعری سفر کا آغاز ۱۹۷۵ء میں کیا تھا دور حاضر کی صف شاعرات میں ایک ممتاز مقام رکھتی ہیں۔ چونکہ انہوں نے انگریزی ادب کا بھی عمیق مطالعہ کیا ہے (ایک مقامی کالج میں انگریزی کی ایسوسی ایٹ پروفیسر ہیں) اس لیے ان کے خیالات میں تازگی اور اسلوب میں خوشگوار انفرادیت پیدا ہوگئی ہے۔ زیر نظر کتاب 'خاموش دستک' ان کی شاعری کے دوسرے مجموعے پر مبنی ہے۔ ان کا پہلا مجموعہ 'سرد آگ' تقریباً 6 سال قبل شائع ہو کر قبول عام کی سند حاصل کر چکا ہے۔ (دونوں مجموعوں کے عنوانات میں پایا جانے والا تضاد اپنی جگہ گہری رمزیت کا حامل ہے)۔ 'سرد آگ' سے 'خاموش دستک' تک کا مطالعہ اس حقیقت کا غماز ہے کہ رضیہ سبحان نے خوب سے خوب تر کی جستجو پیہم جاری رکھی ہے۔ زندگی کی تگ و دو میں وہ قطعیت (Finality) کی قائل نظر نہیں آتیں۔ خود کہتی ہیں۔

خواب نگر کی شہزادی کے خواب ادھورے رہتے ہیں
خط میں جیسے لکھے گئے القاب ادھورے رہتے ہیں

شاعر کا کام عموماً یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ وہ اپنی لطیف اور خوشگوار باتوں سے قاری اور سامع کا دل لبھاتا رہے۔ ایسا کسی حد تک صحیح ہو سکتا ہے لیکن شاعر پر لازم ہے کہ اگر تلخیوں کی ضرورت محسوس کرے تو وہ بھی پیدا کرے۔ رضیہ سبحان کے کلام میں شعری حسن کے ساتھ ساتھ ہمیں زندگی کے تلخ حقائق کا بیان بھی ملتا ہے۔ مثلاً مادیت کے زیر اثر آج کا انسان اُن اعلیٰ اقدار سے دور ہوتا جا رہا ہے جو انسانیت کا طرہ امتیاز رہی ہیں۔ ہر ہر قدم پر باطن کی

پامالی کا اہتمام ہے جبکہ تمام توجہ ظاہر کو سنوارنے پر مرکوز کر دی گئی ہے۔ اس صورت حال پر رضیہ کا طنز ملاحظہ ہو۔

روح ویراں کھنڈر سہی لیکن
جسم ہر طور سے سجاتا ہے

آزادی کے بعد برصغیر کے مسلمانوں کو یقین تھا کہ نئے وطن میں امن، خوشحالی، عدل، اخوت اور مساوات کا دور دورہ ہوگا۔ اسی امید پر کروڑوں انسانوں نے ہندوستان کو خیر باد کہا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ پاکستان ہم سب کے لیے جائے اماں اور جائے پناہ ثابت ہوا۔ بڑی تعداد میں مسلمان جو ہندوستان میں رہ گئے آج بھی مصائب کا شکار ہیں اور نہایت عسرت میں زندگی بسر کر رہے ہیں لیکن اس حقیقت سے انکار بھی ممکن نہیں کہ عوام کی ایک بھاری تعداد آزادی کے حقیقی ثمرات سے محروم رہی۔
نئے وطن میں ان کے لیے ایک طرف تو شناخت کا مسئلہ پیدا ہوا جبکہ دوسری طرف ہجرتوں کا سلسلہ دراز ہوتا گیا۔ رضیہ کہتی ہیں۔

ہو سکے تو میری پہچان بتا دے مجھ کو — ورنہ اس لوحِ زمانہ سے مٹا دے مجھ کو
دربدر ہم نہیں ہوں گے تو پھر کیا ہوں گے — راستہ اپنا یہ کہیں جا کے ٹھہرتا ہی نہیں
منزل تو آستانے کو چھونے کا نام ہے — جب وہ نہیں نصیب تو پھر کیا سفر سے کام

کہیں کہیں، حالات حاضرہ، پر تبصرہ کرتے وقت رضیہ کا لہجہ احتجاجی ہو جاتا ہے۔

بٹھائے جاتے نہ پہرے جو سوچ پر رضیہ — قلم مرا یہ کبھی بے ادب نہیں ہوتا

تاہم اس مجموعے کا ایک اہم وصف یہ ہے کہ اس میں یاس کے بجائے آس کا عنصر غالب ہے۔ مثال کے طور پر یہ شعر دیکھیے۔

جو کھو گئی ہے کہیں رات کے اندھیرے میں — وہ روشنی کی کرن مجھ کو ڈھونڈلاتا ہے

رضیہ سبحان نے نظمیں بھی کہی ہیں اور بہت خوب کہی ہیں۔ ان کے پہلے مجموعے میں

چند ایسی نظمیں شامل تھیں جو انہوں نے انگریزی سے ترجمہ کی تھیں۔ اس کتاب میں شامل نظمیں ''کب تک؟'' ''ضرورت'' ''سوال'' ''فیصلہ'' وغیرہ اپنے موضوعات کے اعتبار سے فکر انگیز اور تاثر کے لحاظ سے دل گداز ہیں۔ موخر الذکر نظم کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں غزل کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ ہیئت سے قطع نظر اس نظم میں موجود تغزل اور لہجے کی مٹھاس نے اسے معنوی اعتبار سے غزل بنا دیا ہے۔ یوں بھی غزل رضیہ سبحان کی پسندیدہ صنف ہے۔ انہوں نے غزل کو اس کی تمام روایات اور رعایات کے ساتھ رقم کیا ہے۔ ان کے بیشتر اشعار میں ہجر کا رنگ نمایاں ہے۔

بخت اپنا یہ کسی طور سنورتا ہی نہیں ۔۔۔ یہ ہجر گزارے سے گزرتا ہی نہیں

تمہارے ہجر کا دل میں ملال رہنے دیا ۔۔۔ کوئی تو راہ نکل آتی وصل کی لیکن

بغیر اس کے مجھے زندگی محال رہے ۔۔۔ سکوں کا پل نہ کبھی ہجر میں میسر ہو

معاملات حسن و عشق میں رضیہ سبحان مکمل وارفتگی بلکہ اس سے بھی بڑھ کر سپردگی کی اس منزل پر نظر آتی ہیں جس کا اظہار فارسی کے ایک مصرعے میں 'من تو شدم تو من شدی' کے الفاظ سے کیا گیا ہے۔ چنانچہ ایک طرف خود پر یہ پابندی عائد کرتی ہیں۔

فکر کرنے کے لیے بھی نہ ہو فرصت مجھ کو ۔۔۔ غرق میں تیرے تصور میں رہوں شام و سحر

تو دوسری طرف فریق ثانی سے بھی توقع رکھتی ہیں۔

وہ میرا عکس مرا پرتو جمال رہے ۔۔۔ یہ آرزو ہے کہ بن کر مری مثال رہے

پند و نصائح کو غزل میں ہمیشہ کلیدی حیثیت حاصل رہی ہے۔ شعراء معاشرے کے نباض بھی ہیں اور معالج بھی۔ رضیہ سبحان نے اپنے اشعار میں جا بجا زندگی کے رہنما اصولوں کا احاطہ کیا ہے۔

آغاز ہی سے کوچ کا کرتے ہیں اہتمام ۔۔۔ محتاط زندگی کے سفر میں ہوئے جو لوگ

بار ہستی مگر اٹھانا ہے ۔۔۔ لاکھ راہ فرار حاصل ہو

ہم جس عہد میں رہ رہے ہیں وہ Communication (ابلاغیات) کا عہد ہے۔ ہر پڑھا لکھا اور باشعور شخص چاہتا ہے کہ اس کا ابلاغ بہتر ہو۔ ابلاغیات کا ایک تسلیم

شدہ نظریہ ہے: Actions speak louder than words
(افعال' الفاظ کے مقابلے میں زیادہ اونچی آواز میں بولتے ہیں)۔ رضیہ سبحان نے اس نظریے کی شعری تجسیم یوں کی ہے۔

نگاہوں سے سمجھ لیتے ترے پیغام الفت کو　　کبھی ہم جذبۂ دل کو نہ لفظوں میں بیاں کرتے

'خاموش دستک' میں آپ کو ایسے اشعار کثرت سے ملیں گے جن میں روزمرہ کے تجربات کا نچوڑ پیش کیا گیا ہے۔ مثلاً اس مضمون کے شروع میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے حوالے سے کہا گیا ہے۔ 'ہماری پسند و ناپسند کا مذاق بدلتا رہتا ہے'۔ اس عام مشاہدے کی بات کو رضیہ سبحان نے یوں شعر کی زبان دی۔

بدل ہی جاتا ہے ہر دور میں معیار طلب　　جو شوق پہلے کبھی تھا وہ اب نہیں ہوتا

غزل میں غنائیت نہ ہو تو اشعار دل کے تاروں کو نہیں چھوتے اور شاعر کا بیان سپاٹ ہو کر رہ جاتا ہے۔ شاعر الفاظ کے زیر و بم سے اشعار میں ترنم اور موسیقیت کا تاثر دیتا ہے۔ ایڈگر ایلین پو (Edgar Allan Poe) شاعری کی اس خصوصیت پر اس حد تک زور دیتا تھا کہ اس کے نزدیک 'شاعری الفاظ میں نغمگی پیدا کرنے کا نام ہے'۔ رضیہ سبحان کا کلام اس وصف سے بھی مالا مال ہے۔ اس مجموعے میں بعض پوری پوری غزلیں غنائیت سے معمور ہیں۔ ایک غزل کے چند اشعار بطور مشتے نمونہ از خروارے درج کیے جاتے ہیں۔

اب کیا ذرا سی بات کو اتنا بڑھایئے　　یوں یک بیک ہی بزم سے اٹھ کر نہ جایئے
ہو جائے پھر محال سلجھنا بھی آپ کا　　دھاگوں کی طرح سے یوں الجھتے نہ جایئے
ہونے کو معتبر یہ امر لازمی ہے کب　　وعدے سدا ہر ایک سے اپنے نبھایئے

میں رضیہ سبحان قریشی کو ان کے اس دوسرے مجموعے کی اشاعت پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ جو لوگ نفیس شعری ذوق رکھتے ہیں اور شاعری میں مقصدیت کے قائل ہیں وہ اس کلام سے ضرور محظوظ ہوں گے۔ رضیہ سبحان کو شائستگی' متانت' سادگی اور برجستگی کے ساتھ بیان مدعا کا ڈھنگ آتا ہے۔ میرے خیال میں وہ اس دور کی ایک کامیاب شاعرہ ہیں۔
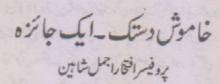
خاموش دستک۔ایک جائزہ

پروفیسر افتخار اجمل شاہین

‘خاموش دستک’ پروفیسر رضیہ سبحان قریشی کا دوسرا شعری مجموعہ کلام ہے۔ اس سے قبل ان کا پہلا شعری مجموعہ ’’سرد آگ‘‘ کے نام سے ۱۹۹۶ء میں شائع ہو چکا ہے۔ ان کا پہلا شعری مجموعہ جو دو حصوں پر مشتمل تھا۔ پہلا حصہ غزلوں پر‘ جبکہ دوسرے باب میں چند مشہور انگریزی نظموں کا منظوم ترجمہ شامل تھا جو طلباء کے نصاب میں شامل تھیں۔ ان منظوم ترجموں کا مقصد بقول شاعرہ یہی تھا کہ ’میں طلباء کی مشکلات حل کرنے میں معاونت کروں‘۔ پروفیسر رضیہ قریشی نے جن انگریزی نظموں کا کامیاب ترجمہ کیا ہے۔ ان نظموں کا شمار انگریزی کی مشہور نظموں میں ہوتا ہے۔ اس لیے یہ طلباء کے علاوہ عام لوگوں کی دلچسپی کا بھی سبب بن گئی ہیں۔ رضیہ قریشی صاحبہ چونکہ انگریزی کی پروفیسر ہیں۔ اس لیے انہوں نے اپنی ذمہ داری کو اس طرح محسوس کیا اور انگریزی کی چند مشہور نظموں کا منظوم اردو ترجمہ کر ڈالا۔

گورنمنٹ عبداللہ گرلز کالج کی اپنی ادبی اور شعری روایت قائم ہے۔ بالخصوص انگریزی کا شعبہ اس سلسلے میں پیش پیش رہا ہے۔ اس کالج سے اردو کی مشہور شاعرہ پروین شاکر کا بھی تعلق تھا۔ ان کے بعد نمایاں نام پروفیسر شاہدہ حسن کا ہے۔ ان دونوں کا تعلق بھی اسی کالج کے انگریزی کے شعبہ سے رہا ہے مگر ان کی وجہ شہرت اُردو شاعری ہے اور رضیہ قریشی کا تعلق بھی شعبۂ انگریزی سے ہے مگر اُردو میں شاعری کرتی ہیں۔ اور یہی ان کی شہرت کا سبب ہے۔ اسی کالج کی ایک اور شاعرہ گزشتہ چند سالوں میں ابھر کر آئی ہیں ان کا تعلق بھی شعبۂ اُردو سے ہے جن کا نام سکینہ ساجد ہے مگر ادبی حلقوں میں پنہاں کے نام سے جانی پہچانی جاتی ہیں۔

شعبۂ اُردو سے پروفیسر مریم حسین کا تعلق ہے جو معروف افسانہ نگار ہیں۔

رضیہ قریشی کے شعری مجموعوں کے نام پر جب غور کرتا ہوں تو مجھے ان ناموں میں جدت نظر

آتی ہے۔ پہلا مجموعہ کلام ''سرد آگ'' جو دو متضاد الفاظ پر مشتمل ہے ایک اچھا جدید اور بامعنی نام ہے اسی طرح ان کا تازہ ترین مجموعہ ''خاموش دستک'' بھی ایک عمدہ اور منفرد نام ہے۔ شعری مجموعوں کے نام بھی کچھ اس طرح رکھے جا رہے ہیں۔ ان ناموں میں جدت اور انفرادیت ہے۔ 'خاموش دستک' بھی ایک نیا' خوبصورت اور بامعنی نام ہے جس سے معنویت کا ایک نیا در کھلتا ہے۔ یہ نام رضیہ قریشی کے شاعرانہ رویے کی بھی غمازی کرتا ہے۔ وہ ایک عرصے سے شعر کہہ رہی ہیں مگر نہایت خاموشی کے ساتھ' وہ مشاعرے میں مصروفیت کے باعث کم ہی شرکت کرتی ہیں۔ البتہ ان کی غزلیں اکثر رسائل واخبارات میں مسلسل شائع ہوتی رہتی ہیں اور یوں انہوں نے اپنا شعری سفر جاری رکھا ہوا ہے۔ وہ خاموشی کے ساتھ اپنے خیالات' جذبات اور محسوسات کو شعری پیکر میں ڈھالتی رہتی ہیں جس کا بین ثبوت ان کا یہ مجموعہ کلام ہے۔

رضیہ قریشی کا محبوب صنف سخن غزل ہے۔ اگرچہ انہوں نے عقیدتاً حمد' نعتیں اور نظمیں بھی لکھی ہیں مگر ان کی طبیعت کا تمام تر رجحان اُردو غزل کی طرف ہے اور یہی صنف سخن ان کی شاعری کا مرکز اور محور ہے۔ غزل کی اپنی ایک روایت رہی اور اس روایت کی امین رضیہ قریشی بھی ہیں۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ اب غزل کا دامن بہت وسیع ہو چکا ہے۔ اس میں ہر طرح کے موضوعات اور خیالات کو کامیابی کے ساتھ موثر انداز میں پیش کیا جا رہا ہے۔ رضیہ قریشی نے روایت سے رشتہ قائم رکھا ہے مگر اپنے دور کے مسائل سے بھی بخوبی واقف ہیں اور ان کو اپنے اشعار میں خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ موضوعات میں نیا پن اور جدت بھی ہے۔ بہت سے اشعار میں عشق و رومان کا بھی ذکر ملتا ہے مگر جذبات کے اظہار میں وارفتگی اور تازگی ملتی ہے۔ انہوں نے اپنے اشعار میں زندگی کے مختلف مسائل کو کامیابی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ رضیہ ایک حساس دل رکھتی ہے جہاں بھی ظلم' بربریت' اور ناانصافی دیکھتی ہیں تو وہ تڑپ اٹھتی ہیں اور حقائق کا اظہار بڑی جسارت کے ساتھ نرم لہجے میں کر دیتی ہیں۔ ان کی شاعری میں عہد حاضر کا المیہ بھی ملتا ہے اور انسانی اقدار کے ٹوٹ پھوٹ کا مرثیہ بھی۔ ان کے احتجاج کا طریقہ باغیانہ نہیں بلکہ وہ نرم و موثر لہجے میں ظلم و جبر اور اخلاقی قدروں کی شکست وریخت کا ذکر کرتی ہیں۔ وہ اس حقیقت سے بھی آشنا ہیں کہ زخموں کی نمائش پر لوگ

خوش نہیں ہوتے۔ کوئی زخموں پر مرہم نہیں رکھتا بلکہ اس سے بہتر ہے کہ اپنا غم خاموشی کے ساتھ سہہ لیا جائے۔ کبیر داس نے بھی اس بات کو کچھ اس طرح اپنے ایک شعر میں کہا تھا کہ

اے کبیر اپنے دکھ کو دل ہی میں رکھو
لوگ سن کر اٹھلائیں گے

رضیہ کہتی ہیں

ہم جو زخموں کی نمائش کرتے
پھر کہاں لوگ ستائش کرتے

اگر گلاب ان کے حصے میں نہ آئے تو وہ خار بن کر ہی زندہ رہنے کی آرزو کرتی ہیں۔ اس میں بھی ان کا اپنا ایک نقطۂ نظر پوشیدہ ہے۔ اس میں دردمندی کا فلسفہ بھی۔

میں خار بن کے ہی پیوستۂ شجر تو رہوں
وہ باغ زیست میں مہکے گلاب کی صورت

اس دور کا ایک بڑا المیہ یہ بھی ہے کہ انسان تنہائی کا شکار ہو گیا ہے۔ ہر شخص اکیلے پن کا شاکی ہے۔ تنہائی کا زہریلا ناگ انسان کو ڈس رہا ہے وہ لوگوں کے ساتھ رہ کر بھی خود کو تنہا محسوس کر رہا ہے۔ یہ تنہائی اور اکیلا پن اس دور کا شدید عذاب ہے۔ اس ناخوشگوار حقیقت کو رضیہ قریشی نے بھی شدت کے ساتھ محسوس کیا ہے اور اس کا اظہار اپنی شاعری میں موثر اور دلنشین انداز میں کیا ہے۔

پھر ہمیں رہنے لگا ہے درد تنہائی بہت
رنگ لانے کو ہے شاید یہ شناسائی بہت
اس نے اپنی بے رخی کے دیدیئے کتنے جواز
پھر بھی دل کو ضد یہی کہ وہ ہے ہرجائی بہت

مگر کبھی کبھی وہ اس تنہائی کا ازالہ اس طرح بھی کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

مری حیات کو تنہائیوں کا خوف نہیں
کہ میرے ساتھ وہ سایہ ضرور ہوتا ہے

رضیہ صاحبہ نامساعد حالات میں زندگی گزارنے کا ہنر جانتی ہیں' مایوسیوں میں بھی رجائیت کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیتیں۔ یوں تو ان کے یہاں ایسے اشعار مل جائیں گے جن میں ناساعد حالات' زمانے کے غم اور رنج والم کا تذکرہ ہے۔ مگر غم سے نباہ کا سلیقہ بھی ان کو خوب آتا ہے۔ مثلاً یہ اشعار دیکھئے۔

مورد الزام ٹھہرایا ہے ہمیں ہر بات پر
اور ہم ہر بات اس کی درگزر کرتے رہے

میں اپنے حسن تکلم سے جیت لوں اس کو
ستم تو یہ ہے کہ وہ مجھ سے بولتا کب ہے

وہ دور گیا جب مجھے دنیا کی طلب تھی
اب دل کو کسی چیز کی حاجت نہیں ہوتی

لغزش پہ یہاں خود ہی سنبھلنا ہی پڑے گا
گر جاؤ تو پھر لوگ اٹھانے نہیں آتے

جس نے جینے کی راہ بتلائی
زندگی ہم اسی پہ وار آئے

غموں کے روبرو سینہ سپر ہوں
خوشی کی ساعتوں کی منتظر ہوں

ان کے اشعار میں ہمدردی اور دردمندی کے جذبات بھی ملتے ہیں ان کو نہ صرف اپنا غم بے قرار کرتا ہے بلکہ دوسروں کے دکھ درد کو دیکھ کر وہ بے تاب اور بے چین ہو جاتی ہیں ان کو اپنے سے زیادہ دوسروں کا خیال رہتا ہے۔

میرے آنگن میں شجر ہے لیکن
اس کے گھر سایۂ شجر جائے

حد گزر جانے سے پہلے روک لو گر ہوسکے
ورنہ بے قابو رہیں گے نفرتوں کے سلسلے

لوگ اک ادنیٰ مفاد زندگانی کے لیے
کتنی ہی شاخ شجر کو بے ثمر کرتے رہے

المختصر میں یہ کہنا چاہوں گا کہ رضیہ قریشی کو شعر گوئی کا سلیقہ آتا ہے وہ اپنے اشعار میں محسوسات' تجربات اور مشاہدات کا خوبصورت اور پر اثر پیکر تراشتی ہیں اور ایسے شعر کہتی ہیں جو قاری کو اپنی گرفت میں لے کر تا دیر اثر چھوڑتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ اشعار دیکھئے۔

بچپن میں اگر کاٹ دیا جائے پروں کو
طائر کو بھی پرواز کی عادت نہیں ہوتی

موجود نہ ہو جس میں ترے پیار کی خوشبو
ساعت وہ مجھے باعث راحت نہیں ہوتی

اک خواب کی صورت انہیں محفوظ تو کرلو
جو لوٹ گئے پھر وہ زمانے نہیں آتے

زمانے کی مخالف سمت چلنے میں خسارہ ہے
ہواؤں کی دیئے سے دشمنی اچھی نہیں ہوتی

ہر اک چہرے پہ افسانہ لکھا ہے
کہانی کے مگر کردار چپ ہیں

بظاہر جو لب خنداں ہیں رکھتے
کسے معلوم کتنے شادماں ہیں

وہ برکھا میں مری دیوار دل پر
ہزاروں رنگ چھوڑے جا رہا ہے

بھیک کشکول میں گرے جیسے
اک نظر ایسی مجھ پہ ڈال گیا

دل کی کھڑکی کی قسمت میں تھا جاگنا
راستے اس مقدر کے سوتے رہے

پناہیں میری باہوں میں میسر
سکون دل سے میں لبریز گھر ہوں

جس میں گھر جیسی کوئی بات نہیں
اس مکاں میں رہیں کیں کب تک

بڑھ گئے جب سے ہماری حاجتوں کے سلسلے
قربتوں میں ضم ہوئے ہیں فاصلوں کے سلسلے

شام جب لوٹے پرندے آشیانے کی طرف
ہم جلا وطنوں کو اپنے گھر کی یاد آئی بہت

مجھے اس بات کا یقین ہے کہ اہلِ ذوق ان کے اس دوسرے مجموعہ کلام یعنی ''خاموش دستک'' کو بھی پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھیں گے اور ان کی شاعری کے سفر کا یہ دوسرا پڑاؤ ان کو شہرت اور مقبولیت کی منزل کی طرف لے جائے گا۔

گوشہ نشیں شاعرہ

انعام رسول ہاشمی

ہر انسان کی شخصیت کے کئی پہلو ہوتے ہیں اسی طرح رضیہ سبحان کی شخصیت کے کچھ اور پہلو بھی ہوں گے' لیکن شخصیت کا وہ پہلو جو میں جانتا ہوں کچھ اس طرح ہے...... رضیہ سبحان فطرتاً سنجیدہ' متین' اور خاموش طبع اور کافی حد تک گوشہ نشین شاعرہ ہیں۔ خود نمائی کا جذبہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ شگفتہ گفتگو' پروقار انداز' ہنسی ضرور ہیں لیکن ہنسی کو کبھی قہقہے میں تبدیل نہیں ہونے دیتیں ہیں۔ غیر ضروری پبلیسٹی اور شہرت کا کبھی پیچھا نہیں کیا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے پہلے مجموعہ کلام 'سرد آگ' کی نہ تو کوئی تقریب رونمائی کی اور نہ اپنے لیے کسی شام کا اہتمام کیا جبکہ آج کل یہ روایت اتنی عام ہو چکی ہے کہ ان کے کلام سے کہیں زیادہ کم معیار کے مجموعہ کلام کی رونمائی ہونا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اسی لیے میں نے انہیں ایک گوشہ نشین شاعرہ کہا ہے۔ بہ لحاظ پیشہ آپ ایک استاد (پروفیسر) ہیں اور عبداللہ گرلز کالج کی سینئر Faculty میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ یہاں میں ایک دلچسپ انکشاف یہ بھی کردوں کہ رضیہ قریشی جو Subject پڑھاتی ہیں وہ اردو نہیں بلکہ اردو کی یہ بہترین شاعرہ ''انگلش'' پڑھاتی ہیں اور آپ نے انگلش کی کئی مشہور نظموں کے اُردو میں ترجمے بھی کیے ہیں۔ ایک اور بات شاید باعث دلچسپی ہو وہ یہ ہے کہ اُردو زبان پر مکمل عبور رکھنے والی رضیہ قریشی کا تعلق ہندوستان کے اس علاقہ سے ہے (مدراس) جہاں اُردو نہیں بولی جاتی ہے۔!

میں ان کے کلام پر تکنیکی تبصرہ کرنے کا اہل نہیں ہوں۔ میں تو وہ کچھ کہوں گا جو میرے اپنے احساسات ہیں۔

میرے خیال میں ''خاموش دستک'' میں شائع ہونے والی غزلیں/نظمیں اور متفرق اشعار اُردو کے کسی بھی معیاری ادب کی شرائط پر پورے اترتے ہیں۔ زبان کی فصاحت' بلاغت' برجستگی' موضوعات اور فکری رجحان ہر چیز بلند معیار کی ہے۔ صاف محسوس ہوتا ہے کہ

شاعرہ نے محض سخنوری کے لیے شعر نہیں کہے بلکہ ہر شعر سچی آمد کے تحت کہا گیا ہے۔

زبان وکلام میں اس قدر سادگی ہے کہ ان کے شعروں کو سمجھنے کے لیے بہت زیادہ ڈگریوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ 'خاموش دستک' کی غزلوں میں سے چند اشعار پیش ہیں۔

گنوا کر ہوش، ہم کو ہوش آیا — بنے گی بات اب فکر و نظر سے
کوئی تو روگ ضروری ہے زندگی کے لیے — غمِ جہاں جو نہ ہوتا، عذابِ جاں ہوتا
بھیک کشکول میں گرے جیسے — اک نظر ایسی مجھ پہ ڈال گیا
جس گھڑی مجھ کو بھولنا چاہو — یاد اُس روز بے حساب کرو
نہ تیری مانگ نہ خواہش نہ طلب اور جنون — پھر میں ہوں تیرے لیے کیا، یہ بتا دے مجھ کو
جو کچھ مہلت ملے کارِ جہاں سے — تو ہم بھی کوچ کا ساماں کریں گے
زندگی کس قدر اکیلی ہے — ہر کوئی ہے مگر نہیں کوئی
تابہ حدِ نگاہ صحرا ہے — کوئی دیوار ہے نہ در کوئی
"ان کی خاموشیوں کو دستک دو" — جن کو یہ شور میں سنائی دے

اُن کے اشعار غمِ دوراں سے زیادہ غمِ جاناں کے ترجمان ہیں۔ لہجے میں ماحول کی تلخی تو نمایاں مگر جھنجھلاہٹ کا عنصر نہیں ہے۔ کلام میں برجستگی، بے ساختگی اور حق بات کہنے کی جسارت و ہمت ان کے اس شعر سے ظاہر ہوتی ہے۔

بے وجہ بخشش و رحمت کی عنایات نہ کر — میں نے گر جرم کیا ہے تو سزا دے مجھ کو

رضیہ قریشی ادبی حلقوں میں بہت زیادہ معروف اور جانی پہچانی اگر آج نہیں ہیں تو کل ضرور ہوں گی۔ ادبی دنیا میں اُن کا وجود سرِ دست ایک ایسی سیپی کی مانند ہے جو عرصہ دراز تک سمندر کی سطح میں لوگوں کی نظروں سے اوجھل پڑی رہتی ہے۔ لیکن پھر ایک نہ ایک دن اسکی کوکھ میں پلنے والا موتی اپنی تمام تر قدر و قیمت کے ساتھ نمودار ہو جاتا ہے۔ مجھے یقین ہے نہ صرف ان کا پہلا مجموعہ 'سرد آگ' بلکہ یہ دوسرا مجموعہ 'خاموش دستک' اور ان دو مجموعوں کے بعد بھی ان کے کہے ہوئے اشعار ایک دن دنیائے ادب کے آسمان پر ستاروں کی طرح روشن ہوں گے۔ انشاء اللہ

مجھے بھی کچھ کہنا ہے
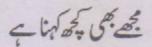
جس طرح خالی برتن میں بہت اوپر سے کنکر گرے تو اس میں گونج ابھرتی ہے' بالکل اُسی طرح جب بھی میری روح کے سناٹے میں سوچ پتھر بن کر گرتی ہے تو اس کی گونج میرے لبوں پر شعروغزل کی صورت ابھرتی ہے۔ یہ میرے صحنِ تخیل میں کھلنے والے وہ پھول اور پودے ہیں جس میں' میں اپنے خونِ دل سے رنگ بھرتی ہوں۔ پھر یہ رنگ برنگے پھول میری ڈائری کی زینت بن جاتے ہیں۔ ان کی ترتیب انکی بے ترتیبی میں پنہاں ہوتی ہے۔ ان کا اچھوتا پن ان کے بے ساختہ پن میں پوشیدہ ہوتا ہے۔ اسی لیے میں ان کی نوک پلک سنوارنے سے گریز کرتی ہوں۔

میں پچھلے کئی سالوں سے شعبۂ درس و تدریس سے وابستہ ہوں اور اس مصروف دور میں ایک مصروف خاتونِ خانہ بھی۔ شاعری میرا مشغلہ نہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ شاعری ہی میری ذات کے دریچے سے گزرنے والا وہ تازہ ہوا کا جھونکا ہے جو میری روح کو ہمیشہ سرسبز و شاداب رکھتا ہے۔ میں لکھتی ہوں اور انشاء اللہ لکھتی رہوں گی اس بات سے بے نیاز ہو کر کہ میری تحریریں مجھے دنیائے ادب میں مقام دلاتی ہیں یا نہیں۔ مشاعروں سے دور رہنے کا سبب میری عدیم الفرصتی ہے۔ اخبارات و رسائل میں نہ چھپنے کی وجہ میری کاہلی ہے۔ اسی لیے تو شاید میں اپنی تمام تخلیقات کو کتابی شکل میں اپنے قارئین کی نذر کر دیتی ہوں۔ پہلے 'سرد آگ' اور اب 'خاموش دستک'۔

سرد آگ کو شائع ہوئے تقریباً چھ سال گزر چکے ہیں۔ یہ کتاب محدود ہاتھوں میں پہنچی۔ اسے پڑھ کر میری کاوش کو سراہا گیا۔ جس سے میری حوصلہ افزائی ہوئی۔ چند اہلِ دانش نے اس کتاب کی خامیاں گنوائیں جس سے میں دل برداشتہ نہیں ہوئی بلکہ اس کتاب میں ان خامیوں کو دور کرنے کی کوشش کی۔

میری کتاب 'خاموش دستک' ان سماعتوں کے لیے ہے جو دنیا کے شوروغوغا میں میری بات سننے کی استطاعت رکھتے ہیں۔

ان کی خاموشیوں کو دستک دو
جن کو یہ شور میں سنائی دے

یہ دستک ان دھڑکتے دلوں کے لیے ہے جو دوسروں کے دکھ درد کو اپنے اندر سمونے کی وسعت رکھتے ہیں۔ یہ خاموش دستک بند ذہنوں پر ہے جن کی فکر عرصے سے سوئی ہوئی ہے۔ جس طرح میری 'سرد آگ' سے اُمید کی چنگاریاں روشن ہوئیں اسی طرح میری 'خاموش دستک' سے فکر و آگہی کے در کھلیں گے اور انشاءاللہ میری فکر سخن کا نغمہ وقت کی لے پر صدا سنائی دے گا۔ (آمین)

آخر میں' میں اپنے بزرگ شاعر محترم استاد تابش دہلوی کی پر خلوص حوصلہ افزائی کے لیے بے حد مشکور ہوں۔ محترم ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی' محترم ثاقب انجان' محترم پروفیسر افتخار اجمل شاہین محترم واصل عثمانی اور ہاشمی صاحب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے اپنی اتنی قیمتی رائے اس ناچیز کی اس ادنیٰ سی کاوش پر دی۔ میں مرتضیٰ شریف صاحب کے صبر اور استقلال کی داد دیتی ہوں جنہوں نے مجھے اس بات پر مجبور کیا کہ اپنی مصروفیات میں سے 'خاموش دستک' کے لیے وقت نکال سکوں۔ پیشگی شکریہ اپنے عزیز قارئین کا بھی ادا کرنا چاہتی ہوں جو اس کتاب کو صرف نظر کریں گے۔ اور سب سے بڑھ کر شکر اس مالک و خالق حقیقی کا جس نے مجھ ناچیز کو اپنی سوچ کے اظہار کا سلیقہ عطا کیا۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

نوٹ: اگر کبھی کسی پتھر پر پھول کھل جائے تو وہ قدرت کا حسین شاہکار معلوم دیتا ہے۔ لیکن اسی پتھر کو اٹھا کر پھولوں کی کیاری میں رکھ دیا جائے تو وہ اپنی جاذبیت' کشش اور انفرادیت کھو دیتا ہے۔ اسی طرح اگر میری کاوش کو شعراء کی صف میں شامل کر دیا گیا تو اس میں کوئی خاص بات نظر نہیں آئے گی۔ لیکن اگر اس کتاب کو اہلِ ذوق ایک طفل مکتب کی کوشش سمجھ کر اسکا مطالعہ کریں گے تو مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب آپ کو ضرور چونکا دے گی کیونکہ......

پتھر پہ پھول کم ہی کھلتے ہیں

شکریہ

پروفیسر رضیہ سبحان قریشی

شب کا سینہ چیر کر جس میں نمو کرتا ہے کون
اور سورج کے طبق پر آگ سی دھرتا ہے کون

کون تارے آسماں پر چار سو پھیلاتا ہے
کون کالی رات میں مہتاب کو چمکاتا ہے

کس نے بادل کو گرجنے کی ادا سکھلائی ہے
کس نے پھر ان کو برسنے کی یہ رہ دکھلائی ہے

کس نے سینے پر زمیں کے رکھدئے بوجھل پہاڑ
کس نے ڈالی بیچ دریاؤں میں موجوں سے دراڑ

راستہ بہتے ہوئے جھرنوں کو دکھلاتا ہے کون
سرپھری خود سر ہوا کو دام میں لاتا ہے کون

کس نے رنگیں کردیا ہے اس بھرے گلزار کو
کس نے رونق بخش دی دنیا کے اس دربار کو

سانس لیتی مختلف مخلوق کا خالق ہے کون
اس زمیں پر ہر بشر کا مالک و رازق ہے کون

کس نے دل کو دھڑکنیں دیں سوچ دیدی فکر کو
آنکھ کو بینائی دی کس نے نوادی ذکر کو

کس نے دل میں بیج بویا ہے وفا کا پیار کا
کون ہے منصف ہمارے قول اور اقرار کا

یہ نہیں اک راز کوئی' ہے حقیقت یہ کھلی
ام اس ہستی کا ہے اللہ' رب' مولا' خدا !

نعت

ایسے میری آنکھوں میں سمایا ہے مدینہ
جیسے کہ انگوٹھی میں جڑا ایک نگینہ

وہ خاکِ مدینہ پہ بنا عرقِ معطر
ٹپکا ہے جو چہرے سے ندامت کا پسینہ

میں کس لیے دربارِ محمدؐ میں ہوں مدہوش
یہ راز بتائیں گے غلامانِ مدینہ

کیا خوف جو کشتی ہے پھنسی بیچ بھنور میں
جب اسکے نگہبان ہوئے شاہِ مدینہ

دبارِ محمدؐ میں بصد عجز و عقیدت
مانگو گے تو مل جائے گا بخشش کا خزینہ

دل میں مرے ارمان ہمیشہ سے ہے یارب
میں لوٹ کے آؤں نہ کبھی جا کے مدینہ

کربلا

حق نمائی کی فضا ہے کربلا
مردِ مومن کا صلہ ہے کربلا

اس میں مضمر راز کتنے عشق کے
عہدِ تکمیلِ وفا ہے کربلا

تا اُبد قائم رہے جس کا خمار
ایسی مے کا میکدہ ہے کربلا

ہر مسلماں کی اجل اور زیست کے
درمیاں اِک فاصلہ ہے کربلا

منزلِ عرفان حاصل ہے اُسے
جس کسی کی رہنما ہے کربلا

خیروشر کا معرکہ ہے ذات میں
میرے اندر بھی بپا ہے کربلا

پھر طلوعِ حق نمائی کے لیے
یہ مقدر مانگتا ہے کربلا

غزلیات

ایک تجھ سے ہی تو مانوس ہیں آنکھیں میری
ترے چہرے پہ نظر جا کے ٹھہر جاتی ہے

بڑھ گئے جب سے ہماری چاہتوں کے سلسلے
قربتوں میں ختم ہوئے ہیں فاصلوں کے سلسلے

اک نیا عزمِ سفر لیکر اٹھے ہیں پھر قدم!
جانے کس منزل پہ پہنچیں راستوں کے سلسلے

حد گزر جانے سے پہلے روک لو گر ہو سکے
ورنہ بے تابو رہیں گے نفرتوں کے سلسلے

بازگشت ان کی سماعت میں سدا قائم رہی
دور سناٹوں میں تھے جو آہٹوں کے سلسلے

جن کو کانٹوں پر بسر کرنے کی عادت ہو گئی
ان کو راس آئیں گے کیسے راحتوں کے سلسلے

ہم بھی تسلیم و رضا کی خو کو اپنا کر رہے
گو مسلسل روز و شب تھے آفتوں کے سلسلے

صحنِ گلشن میں قدم رضیہ کے آجائیں اگر
دور تک پھیلیں گے پھر تو نکہتوں کے سلسلے

اک روزن مرے زنداں میں نہیں
میں عبث تازہ ہوا چاہتی ہے

اب لوگ مرے ناز اٹھانے نہیں آتے
میں روٹھ بھی جاؤں تو منانے نہیں آتے

دہلیز اگر پار بھی کرنی ہو تو کیونکر
جب گھر سے نکلنے کے بہانے نہیں آتے

ہیں رنگ خوشی کے تو کبھی درد کے سائے
چہرے کو مرے راز چھپانے نہیں آتے

کیا خاک سنواریں گے مقدر وہ کسی کا
جن ہاتھوں کو گلدان سجانے نہیں آتے

اک خواب کی صورت انہیں محفوظ تو کر لو
جو لوٹ گئے پھر وہ زمانے نہیں آتے

لغزش پہ یہاں خود ہی سنبھلنا بھی پڑے گا
گر جاؤ تو پھر لوگ اٹھانے نہیں آتے

الجھی ہوں غمِ فکرِ شب و روز میں جب سے
آنکھوں کو میری خواب سہانے نہیں آتے

اپنوں سے توقع ہے عبث تم کو اے رضیہ
جو آگ لگائیں وہ بجھانے نہیں آتے

دیکھیں وہ اس سفر میں کہاں تک ہیں کامیاب
کچھ لوگ منزلوں کی طرف گامزن تو ہیں

نظر میں کوئی سمایا جو خواب کی صورت
مہک اٹھی میری ہستی گلاب کی صورت

وہ اس کے شہر کی آب و ہوا کا کیا کہنا
نشہ حواس پہ چھایا شراب کی صورت

وہ اس کا وعدہ فقط ریت پہ لکھی تحریر
اور اسکا جذبِ محبت سراب کی صورت

نظر میں دور تلک انتظار کے سائے
ہتھیلیوں پہ وہ چہرہ کتاب کی صورت

مجھے قبول نہیں زندگی کا وہ لمحہ!
جہاں ثواب بھی اترے عذاب کی صورت

اُمیدِ وعدۂ فردا رہے کسے رضیہؔ
کہ زندگی ہے یہاں اک حباب کی صورت

ہم جو زخموں کی نمائش کرتے
پھر کہاں لوگ ستائش کرتے

اپنے سر دھڑ کی لگاتے بازی
ہم سے جو آپ یہ خواہش کرتے

پہلے رکھتے ہم ہر اک شے سے عزیز
پھر انہیں باعثِ رنجش کرتے

اتنے دشوار نہ تھے سمجھوتے
آپ گر تھوڑی سی کاوش کرتے

کب ہمیں راس ہوا ہے رضیہ
آپ سے دل کی سفارش کرتے

لاکھ ہو ولولۂ دیدِ شناسا دل میں
پاسِ آدابِ تماشا بھی رہے محفل میں

کشتیٔ دل تو ہے غرقاب فنا آج کی شب
کوشش عمر بھی بے سود ہوئی اک پل میں

مژدۂ راحتِ جاں ہے ترا پیغام وفا
تیرے انفاس کی خوشبو ہے بسی اس دل میں

ہم نے بھی چھوڑ دی منجدھار میں دل کی کشتی
اب کہاں کوئی کشش میرے لیے ساحل میں

وسعتِ دل میں بسایا تمہیں جب سے رضیہ
زندگی اور بھی آسان ہوئی مشکل میں

یہ کیا کہ ظلمتِ شب کی سحر نہیں ہوتی
کسی طرح شبِ غم مختصر نہیں ہوتی

متاعِ دونوں جہاں کا حصول ممکن تھا
اگر یہ خاکِ سفر دربدر نہیں ہوتی

مفاہمت کی کوئی راہ تو نکل آتی
جو قول و فعل میں تکرار گر نہیں ہوتی

تمام عمر جسے خونِ دل سے سینچا ہو!
وہ شاخِ گل تو کبھی بے ثمر نہیں ہوتی

یہ عزمِ تازہ ہے شب میں گھرے ستاروں کا
کہ ٹمٹمائیں گے جب تک سحر نہیں ہوتی

وہ ایک دورِ گزشتہ کی بات تھی رضیہ
لگن اس عمر کی اب عمر بھر نہیں ہوتی

تجھ پر بھی ایک وقت وہ آئے خدا کرے
جب میری چاہتوں کا بھلانا محال ہو

محبتوں میں رفاقت کا سلسلہ کب ہے
یہ ایک دشت ہے منزل کا راستہ کب ہے

میں ہوں شکارِ غم دو جہاں مجھے کیا علم
خوشی میں شاخِ چمن رقص میں صبا کب ہے

کوئی تو ہو کہ جو زنجیر ظلم توڑ سکے
کہ احتجاج کا اب مجھ میں حوصلہ کب ہے

وہ کارِ زیست میں الجھا ہوا ہے روز و شب
کوئی خوشی ہو کہ غم اس کو واسطہ کب ہے

ندی کے دونوں کنارے کا میل کیسے ہو
وہ ہم سفر تو مرا ہے یہ ہمنوا کب ہے

میری شکست کسی کی فتح کا باعث ہے
حقیقتوں کو مگر کوئی جانتا کب ہے

میں اپنے حسن تکلم سے جیت لوں اس کو
ستم تو یہ ہے کہ وہ مجھ سے بولتا کب ہے

انا پرستی ہے رضیہؔ سرشت میں شامل
طلب ہے جس کی اسے دل یہ مانگتا کب ہے

اُمید جزا پر تو عبادت نہیں ہوتی
جذبوں کی محبت میں تجارت نہیں ہوتی

معیار جنوں اب ہیں غلامی کی ادائیں
تکمیل وفا حسبِ روایت نہیں ہوتی

بچپن میں اگر کاٹ دیا جائے پروں کو
طائر کو بھی پرواز کی عادت نہیں ہوتی

وہ دور گیا جب مجھے دنیا کی طلب تھی
اب دل کو کسی چیز کی حاجت نہیں ہوتی

گو اپنی خطاؤں سے رہی چشم گریزاں
ایسا بھی نہیں ہے کہ ندامت نہیں ہوتی

موجود نہ ہو جس میں ترے پیار کی خوشبو
ساعت وہ مجھے باعثِ راحت نہیں ہوتی

اس بات کے حق میں مرے اپنے بھی عدو بھی
رضیہ کو کسی سے بھی شکایت نہیں ہوتی

عمرِ وارفتہ کو میری رائیگاں اس نے کیا
جہدِ مخلص کو مرے کارِ زیاں اس نے کیا

میں کہ اک طائر کی صورت ہر طرح آزاد تھی
مجھ کو ہر صورت اسیرِ آشیاں اس نے کیا

میں نے رازِ عشق پر پردہ پڑا رہنے دیا
اس حقیقت کو مگر اک داستاں اس نے کیا

میں تو دل کی چوٹ کو دل میں چھپائے ہی رہی
اپنے ہر اک زخم کو سب پر عیاں اس نے کیا

اس کی ہر خواہش کی میں تکمیل کا باعث بنی
میں نے جس کی آرزو کی وہ کہاں اس نے کیا

اس سے اب انصاف کی اُمید بھی بے سود ہے
جب کبھی چاہا زمیں کو آسماں اس نے کیا

میں سکوتِ لب پہ آمادہ رہی رضیہ مگر
مجھ کو گھائل کر کے مجبور فغاں اس نے کیا

لذتِ درد بڑھا دے کوئی
آگ ساون میں لگا دے کوئی

حشر برپا ہو بروزِ محشر
وہ قیامت ہی اٹھا دے کوئی

میرے اس نالۂ دلسوز میں بھی
اپنی آواز ملا دے کوئی

میری آنکھوں کی مسلسل بارش
دل کی دیوار نہ ڈھا دے کوئی

جس کی تعبیر یہاں مل جائے
مجھ کو وہ خواب دکھا دے کوئی

بھیڑ سی بھیڑ ہے پھر بھی رضیہ
مجھ کو تجھ سے ہی ملا دے کوئی

لوٹ آئے ہیں مگر آج تلک
اپنے کانوں میں ہے آوازِ جرس

دل پہ کریں گے درد رقم اور کب تلک
ہوتی رہے گی بارشِ غم اور کب تلک

آخر کو جامِ صبر بھی لبریز ہو چکا
رکھتے رہیں تمہارا بھرم اور کب تلک

صحنِ رقیب پر تو نوازش کی بارشیں
ہم پر تمہاری چشمِ ستم اور کب تلک

جانے طویل اور ہو کتنا یہ دورِ ہجر
تنہائی ہم سے ہو گی بہم اور کب تلک

جس راستے پہ موڑ نہ منزل نہ سائباں
اس راہ پر چلیں یہ قدم اور کب تلک

دیکھیں طلوعِ صبح کا عنواں ہو کب حیات
چھائی رہے گی شامِ الم اور کب تلک

دورِ جدید سے ہے یہ رضیہؔ مرا سوال
پوجو گے پتھروں کے صنم اور کب تلک

ہمارے سازِ دل کے تار چپ ہیں
اسیرِ زلف کے بیمار چپ ہیں

لٹے ہیں جس سے وہ اپنا تھا کوئی
جبھی تو گھر کے پہرے دار چپ ہیں

ہر اک چہرے پہ افسانہ لکھا ہے
کہانی کے مگر کردار چپ ہیں

صدائے دل ہر اک سُو گونجتی ہے
بظاہر یہ درد و دیوار چپ ہیں

ہوئی جب سے گراں جنسِ محبت
ہیں ویراں شہر تو بازار چپ ہیں

وہ زنجیر روایت توڑ کر بھی
نہ جانے کس لیے اس بار چپ ہیں

بہت ہے تیز آندھی آنے والی
کہ طوفاں کے سبھی آثار چپ ہیں

چٹانوں کی طرح ہم لوگ رضیہ
نہیں کرتے کبھی اظہار چپ ہیں

دل ہو ویراں تو پھر مکانوں سے
حسن بڑھتا نہیں سجانے سے

نامہ ہے اور نامہ بر کوئی
اب سفر ہے نہ ہمسفر کوئی

زندگی کس قدر اکیلی ہے
ہر کوئی ہے نہیں مگر کوئی

تا بہ حدِ نگاہ صحرا ہے
کوئی دیوار ہے نہ در کوئی

کاتبِ وقت کی ادا ٹھہری
گھر نہیں ہے کوئی دربدر کوئی

کوئی ہتھیار ہو برائے دفاع
مجھ سے اُلجھا ہے آج ہر کوئی

ہر کڑا وقت اس پر آساں ہے
ہاتھ میں جس کے ہے ہنر کوئی

اب نہ پلٹیں گے یہ قدم رضیہؔ
آئے الزام اپنے سر کوئی

کچھ تو اس زندگی میں رنگ بھریں
آؤ رقص بہار ہم بھی کریں

....

راہِ ویران میں اک خوشی بھی نہیں
اور بہت دور تک کوئی بھی نہیں

وہ میرے ساتھ ہے لیکن
پہ کوئی ربطِ باہمی بھی نہیں

سارے اسرارِ زیست کھل جائیں
مجھ کو حاصل وہ آگہی بھی نہیں

یہ تقاضا ہے ضبطِ الفت کا
جو مری آنکھ میں نمی بھی نہیں

کس تعلق سے بات ہو تم سے
درمیاں اپنے دشمنی بھی نہیں

کیا مداوائے غم ہو اے رضیہ
جبکہ امکانِ ہمرہی بھی نہیں

کسی گل پر ہمارا نام لکھ دو
ہم اب کانٹوں پہ بھی کھلنے لگے ہیں

اپنی خوشیوں کو ہم رکاب کرو
اور یوں غم کا • سدِ باب کرو

جس میں انسانیت کا درس ملے
اس کو اس دور کا نصاب کرو

کیا ہو اس کے سوا کمالِ ہنر
ذرے ذرے کو آفتاب کرو

میری مجبوریوں کو پہچانو
غم کے چہرے کو بے نقاب کرو

جس گھڑی مجھ کو بھولنا چاہو
یاد اس روز بے حساب کرو

یہ تقاضائے دل ہے اے رضیہ
آپ اپنے سے بھی حجاب کرو

جن کناروں پہ نکھرتا ہے خموشی کا طلسم
ان کے دریاؤں میں سیلاب چھپا ہوتا ہے

تقدیس گنوا بیٹھے تاثیر گنوا بیٹھے
ہم لفظِ محبت کی توقیر گنوا بیٹھے

آزاد کیا خود کو اب قیدِ روایت سے
ہر جذبِ وفا کی ہم زنجیر گنوا بیٹھے

جینے کی ہمک دل میں اس وقت یہاں جاگی
جب چشمِ تمنا کی تعبیر گنوا بیٹھے

کیا آئے گا ان پر اب الزامِ وفا شکنی
جن لوگوں کے ہاتھوں کی تحریر گنوا بیٹھے

ڈوبے رہے اشکوں کے سیلاب میں، ہم ایسے
آنکھوں میں بسی تھی جو تصویر گنوا بیٹھے

وہ کیا میرے لفظوں کی سچائی کو پرکھیں گے
جو اپنے ہی لہجے کی تاثیر گنوا بیٹھے

ہم راہِ محبت میں کام آئے تو کیا رضیہ
جب عشق میں جاں رانجھے اور ہیر گنوا بیٹھے

دیکھیں وہ اس سفر میں کہاں تک ہیں کامیاب
کچھ لوگ منزلوں کی طرف گامزن تو ہیں

ہو سکے تو میری پہچان بتا دے مجھ کو
ورنہ اس لوحِ زمانہ سے مٹا دے مجھ کو

بے سبب بخشش و رحمت کی عنایات نہ کر
میں نے گر جرم کیا ہے تو سزا دے مجھ کو

میں گراں جنس نہیں جس کا خریدار نہ ہو
نہ وہ گوہر کہ سرِ راہ لٹا دے مجھ کو

خلش دردِ محبت نہیں مٹنے والی!
چاہے جتنا بھی وہ نظروں سے گرا دے مجھ کو

آزمائش ہی اگر شرطِ محبت ٹھہری
کوئے مقتل میں کھڑے ہو کے صدا دے مجھ کو

نہ تیری مانگ نہ خواہش نہ طلب اور جنوں
میں ہوں کیا تیرے لیے پھر یہ بتا دے مجھ کو

زد میں آندھی کے رہے ایسا دیا ہوں رضیہ
اب رضا تیری جلا دے کہ بجھا دے مجھ کو

چاند تاروں میں ڈھل کے دیکھ لیا
ہم نے فطرت میں پل کے دیکھ لیا

مسئلوں کا نہ حل تلاش ہوا
کفِ افسوس مل کے دیکھ لیا

شب کا مقدور تو سیاہی ہے
ہم نے بھرپور جل کے دیکھ لیا

سرخرو ہم کسی طرح نہ ہوئے
پتھروں پر بھی چل کے دیکھ لیا

اب سنبھلنا بہت محال ہوا
اس نے تیور بدل کے دیکھ لیا

کتنے محفوظ اپنے گھر میں تھے
گھر سے باہر نکل کے دیکھ لیا

درمیاں فکر کی خلیج رہی
دور تک ساتھ چل کے دیکھ لیا

عکسِ تصویر ہم بدل نہ سکے
شیشۂ دل بدل کے دیکھ لیا

راس رضیہ نہیں سکونِ حیات
دلِ مضطر سنبھل کے دیکھ لیا
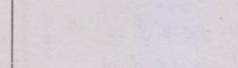
دامن مرا اشکوں سے بھگونے نہیں دیتا
اک شخص مجھے کھل کے بھی رونے نہیں دیتا

کچھ ایسی بھی دشوار نہیں اسکی رفاقت
ممکن کو مگر وہ کبھی ہونے نہیں دیتا

کیا دورِ محبت تھا کہ وعدوں کا بھرم تھا
اب آس کے موتی بھی پرُونے نہیں دیتا

ہوں جس کے شب و روز میں نفرت کے اندھیرے
وہ بیجِ محبت کہیں بونے نہیں دیتا

یہ روگِ محبت یہ غمِ عشق کی دولت
پا جائے جو اک بار وہ کھونے نہیں دیتا

سناٹا گلی کا میری وحشت کا سبب ہے
اور شور میری ذات کا سونے نہیں دیتا

گلہ ہے گر تو بس اتنا ہے تجھ سے
کہ تو نے بھی مجھے سمجھا نہیں

چراغاں پھر سرِ مژگاں کریں گے
ہم اپنے درد کا درماں کریں گے

بہت سمٹے رہے ہستی میں اپنی
بکھر کر شہر کو حیراں کریں گے

منور ہے جو سورج سے زیادہ
وہ جذبِ دل کہاں پنہاں کریں گے

ہم اپنے احتسابِ روز و شب سے
خود اپنی ذات کو حیراں کریں گے

جو آیا اس برس بھی عہد وحشت
نہ جانے کتنے گھر ویراں کریں گے

سکوں ہو قریۂ جاں کو میسر
تو ہم بھی عیش کا ساماں کریں گے

جو کچھ مہلت ملے کارِ جہاں سے
تو پھر ہم کوچ کا ساماں کریں گے

کیا ہے عہد شب سے ہم نے رضیہ
طلوعِ صبح کو عنواں کریں گے

پارہ پارہ کرچی کرچی بکھری ہوں
دہر میں اکثر کربِ دروں سے گزری ہوں

کچھ مانوس صدائیں پیچھا کرتی ہیں
جب بھی تیری راہگزر سے گزری ہوں

پیار کی موجوں نے باہوں میں گھیر لیا
وقت کے ساحل پر میں جب بھی بکھری ہوں

رات کھلی آنکھوں سے سپنا یہ دیکھا
چاند کی صورت بام پہ تیرے اتری ہوں

اک یہ بھی اعجاز ہے رضیہ قدرت کا
مثلِ بہاراں زرد خزاں میں نکھری ہوں

کچھ تو سکوتِ شام نے تحفہ مجھے دیا
اب دل ہے تیری یاد کا جلتا ہوا دیا

اک بوند بھی نصیب یہاں کس کو ہو سکی
اس زہر کی جو سچ کے علمدار نے پیا

اشکِ رواں کے ابر نے موتی لٹا دیئے
ساون کی بھیگی رت میں ترا نام جو لیا

کہنے کو زندگی بھی گزر تو گئی مگر
جتنا جیا بغیر ترے گھٹ کر ہی جیا

اس کو جنونِ شوق کی رضیہ کہاں خبر
جس کی صدا پہ چاک گریبان یہ کیا

وقت پہ کسی ڈگر یہ لایا ہے
ساتھ ہے وہ نہ اپنا سایا ہے

دلکشا نقش دل پہ نقش ہوئے
کوئی کیا خوب دل کو بھایا ہے

ضبطِ پیہم ہوا علاجِ وفا
موسمِ درد راس آیا ہے

ہم پہ یلغارِ دشمنانِ سکوں
اس قدر ہے کہ خوف آیا ہے

قلبِ ویراں پہ دستکیں کیسی
کس نے صحرا میں گھر بسایا ہے
بے قفس قید ہو گئے رضیہؔ
بے کسی کا وہ دور آیا ہے

رضیہؔ کوئی بھٹکے نہیں منزل کی طلب میں
ہر شخص اگر اپنے ہی گھر جائے تو اچھا

کبھی جو قلب و نظر میں سرور ہوتا ہے
نہ جان پائی ہوں کس کا قصور ہوتا ہے

زمیں کے سینے پہ چلتا یہ خوش گماں انسان
اُسے عبث ہی جہاں پر غرور ہوتا ہے

میں سو گئی اسی آغوشِ شب میں منہ دیکر
کہ ظلمتوں میں سدا رقصِ نور ہوتا ہے

وہ قدر جوہرِ الفت کی جانتے کیسے
یہ اہلِ زر کو بھلا کب شعور ہوتا ہے

مری حیات کو تنہائیوں کا خوف نہیں
کہ میرے ساتھ وہ سایہ ضرور ہوتا ہے

کسی بھی مئے میں میسر نہ ہو سکا رضیہ
نشہ جو دائمی اس کے حضور ہوتا ہے

میں اس سے ہو کے جدا کیسے جی سکوں گی بھلا
جو میرے سینے میں دل کی جگہ دھڑکتا ہے

پھر ہمیں رہنے لگا ہے دردِ تنہائی بہت
رنگ لانے کو ہے شاید یہ شناسائی بہت

شام جب لوٹے پرندے آشیانے کی طرف
ہم جلا وطنوں کو اپنے گھر کی یاد آئی بہت

اس نے اپنی بے رخی کے دیدیئے کتنے جواز
پھر بھی دل کو ضد یہی کہ وہ ہے ہر جائی بہت

آنکھوں آنکھوں میں جو اپنی دیر تک ہوتی رہی
اس خموشی کی زباں سے گفتگو بھائی بہت

جذبِ دل کو سات پردوں میں چھپا کر رکھ لیا
تیری دنیا میں ہمیں ہے خوفِ رسوائی بہت

روح کو سیراب ساون کی فضا نہ کرسکی
گو چلیں ٹھنڈی ہوائیں اور گھٹا چھائی بہت

وہ زمانے کے دکھاوے کے لیے ہی کیوں نہ ہو
سچ تو یہ ہے کی ہے رضیہ نے پذیرائی بہت

لگا کر دل میں کوئی آگ دیکھو
چلا ہے ڈھونڈنے پانی کا کوزہ

ہوا ہے کوئی سراپا عتاب کیا کیجیے
ہے اپنی جان پہ یہ بھی عذاب کیا کیجیے

ہر ایک ذرہ کہاں آفتاب ہوتا ہے
ہر ایک شخص کا اب انتخاب کیا کیجیے

نہیں جو اپنے مقدر میں اس کی ضد کیسی
حقیقتوں کو سدا محوِ خواب کیا کیجیے

وفائیں جس کی میری دسترس سے باہر ہوں
بھلا وہ شخص کو دل کا نصاب کیا کیجیے

ورق ورق پہ میری زندگی کے لکھا ہے
وہ ایک نام اسے وقفِ باب کیا کیجئے

ہر اک گام جو رسوائیوں کا باعث ہے
ہے اپنے دوست اسے بے نقاب کیا کیجئے

بھلا دیئے ہیں یہ دل نے تمام جور و ستم
رہِ وفا میں جفا کا حساب کیا کیجئے

معمے عشق کے سُلجھا دیں ایک لمحے میں
یہ سوچتے ہیں اسے لاجواب کیا کیجئے

بگڑ چکا ہے جو رضیہ نصیب پہلے سے
اب اور ہاتھوں سے اس کو خراب کیا کیجئے

نظر میں فکر میں دل میں وہ کب نہیں ہوتا
کچھ اور بھی نہیں ہوتا وہ جب نہیں ہوتا

کسی کی یاد میں جل کر بجھی بجھی سی رہی
کہ روگ کوئی کبھی بے سبب نہیں ہوتا

یہ رتجگوں کی تھکن جسم کو تھکا دیتی
اگر یہ چاند سر نیم شب نہیں ہوتا

بدل ہی جاتا ہے ہر دور میں معیارِ طلب
جو شوق پہلے کبھی تھا وہ اب نہیں ہوتا

بٹھائے جاتے نہ پہرے جو سوچ پہ رضیہ
قلم مرا یہ کبھی بے ادب نہیں ہوتا
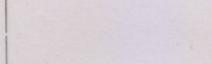
سراغ مجھ کو تو اپنا بھی آج پانا ہے
افق سے دور بہت دور اب تو جانا ہے

جو کھو گئی ہے کہیں رات کے اندھیرے میں
وہ روشنی کی کرن مجھ کو ڈھونڈ لانا ہے

ہیں بزمِ ہستی میں موجود یوں تو سب لیکن
ہے انتظار اسی کا نہ جس کو آنا ہے

کبھی نگاہِ محبت کبھی عداوت سے
تمہیں تو صرف مجھے ہر گھڑی ستانا ہے

یہ دوریوں میں سمٹ آئیں قربتیں کتنی
یہی فراق ترے وصل کا بہانا ہے

وہ نگاہوں میں سب کی کھٹکتے رہے
جامِ الفت جو پی کر بہکتے رہے

بات کہنے کو یوں تھی بہت مختصر
جانے کیوں مدتوں ہم جھجکتے رہے

گو کہ ادنیٰ سا ذرہ رہے عمر بھر
مثلِ خورشید لیکن دمکتے رہے

دل کی کونپل ہری کی ہری ہی رہی
جب تلک تیرے عارض دمکتے رہے

اپنے دل کے چمن میں خزاں چھا گئی
پھول گلشن میں یونہی مہکتے رہے

شب کے تاریک دامن میں تارے نہیں
میرے اشکوں کے گوہر چمکتے رہے

جن کو ایجاد کیا عیش و طرب کی خاطر
کیا ستم ہے انہی آلات سے ڈر لگتا ہے

یہ آرزو ہے کہ بن کر مری مثال رہے
وہ میرا عکس مرا پر توِ جمال رہے

ہے جس کے نام یہ الفت کی داغ بیل رکھی
بہارِ تازہ اسی شاخ پر بحال رہے

نہ رنج و غم کا ہو سایہ کسی کی ہستی پر
وہ گرم و سرد میں ہر دم یونہی نہال رہے

ہو ٹوٹنے کا بکھرنے کا خوف اب کیونکر
سمیٹ لینے میں جب تک اسے کمال رہے

سکوں کا پل نہ کبھی ہجر میں میسر ہو
بغیر اس کے مجھے زندگی محال رہے

ہزار زخمِ ہنر فکرو آگہی کو ملیں
سلگتی یونہی مگر آتشِ خیال رہے

کسی کی ذات معمہ بنی رہے رضیہ
نہ حل ہو کوئی بھی جس کا وہی سوال رہے

جو سدا اپنے ہم خیال ہوئے
ان سے بچھڑے تو کتنے سال ہوئے

شعر جو باعثِ تمسخر تھے
حسب معمول حسب حال ہوئے

جن سے وابستگی تھی کوسوں دور
کیا غضب اپنے ہم خیال ہوئے

ان کا ثانی نہ مل سکا کوئی
آپ اپنی ہی وہ مثال ہوئے

قرب میں آپ کی جو گزرے ہیں
وہی لمحات نیک فال ہوئے

تھے جو بیگانہ فہم سے رضیہ
کس قدر صاحب کمال ہوئے

دیکھیں وہ اس سفر میں کہاں تک ہیں کامیاب
کچھ لوگ منزلوں کی طرف گامزن تو ہیں

نہ دیکھو اس طرح ترچھی نظر سے
خدارا اب تو باز آجاؤ شر سے

تمنا ہے اُفق کے پار جاؤں
بہت دن ہو گئے لوٹے سفر سے

ہو تم سے دور رہنا کیسے ممکن
جدا طائر رہے کیونکر شجر سے

انا کے بند سے اپنے کو روکا
وگرنہ ڈوب جاتی چشم تر سے

در و دیوار ہیں میری پناہیں
تحفظ کا ملا احساس گھر سے

جنوں کی آخری حد ہے یہ رضیہ
پتہ پوچھیں ترا شام و سحر سے

آپ میں بات ہی کچھ ہے ورنہ
کوئی کب دل کو مرے بھاتا ہے

جو میری زیست کی منزل کا تو نشاں ہوتا
تو میرے زیرِ قدم کیوں نہ آسماں ہوتا

نظر ہے داد طلب چُن لیا تجھے ورنہ
ہجومِ دہرِ پریشاں میں تو کہاں ہوتا

کوئی تو روگ ضروری ہے زندگی کے لیے
غمِ جہاں جو نہ ہوتا عذاب جاں ہوتا

انا پرستی نے تیری تجھے کیا گھائل
میری پناہ میں ہوتا نہ بے اماں ہوتا

یہ اہلِ دل کی تمنا رہی سدا رضیہؔ
جبینِ شوق کو حاصل وہ آستاں ہوتا

تھے وفاؤں کے سلسلے جس سے
ہو گئیں مدتیں ملے اُس سے

وہ بساطِ جہاں کا ہے مہرہ
درد اور زخم ہی ملے اس سے

دامنِ ہوش ہاتھ سے چھوٹا
وہ ملے پیار کے صلے اس سے

صورتِ موت ہم تو جیتے ہیں
زندگی کے ہیں ولولے اس سے

شور پنجرے میں یہ سنائی دے
جانے صیاد کب رہائی دے

سینۂ دہر پہ وہ سفاکی
آسماں تک یہاں دہائی دے

جن کی آنکھوں میں خواب عیش رہیں
ایسے اندھوں کو کیا دکھائی دے

احتساب عمل کی چاہ جسے
آئینہ اسکو خود نمائی دے

اُن کی خاموشیوں کو دستک دو
جن کو یہ شور میں سنائی دے

میری فکرِ سُخن کا ہر نغمہٗ
وقت کے ساز پر سنائی دے

اس محبت پہ ناز کیا رضیہؔ
جو فقط دردِ آشنائی دے

جذبہ دل کے تم ہی قاتل ہو
تم کو معصوم کہہ دیا کس نے؟

وہ ستارا جو آسمان میں ہے
میری پلکوں کے درمیان میں ہے

کس طرح دل کے ہوگئے ٹکڑے
تیر تو اب تلک کمان میں ہے

کوئی صورت نہیں بہلنے کی!
ہر گھڑی وہ جو میرے دھیان میں ہے

جو تعین کرے ہے منزل کا
وہ ہوا بھی یہ بادبان میں ہے

پھر چٹخنے لگے ہیں سمجھوتے
ہمسفر پھر مرا گمان میں ہے

آؤ اک دوسرے کو سمجھائیں
کہ نہیں کوئی درمیان میں ہے

وہ کہاں قصۂ محبت میں
جو مزہ اپنی داستان میں ہے

اس نے جب سے نصاب دل بدلا
زندگی اپنی امتحان میں ہے

دل میں رضیہ کے یوں تو کوئی نہیں
ایک سایہ مگر مکان میں ہے

ہو کے گھر سے مرے جدھر جائے
سر سے طوفانِ غم گزر جائے

میرے آنگن میں ہے شجر لیکن
اس کے گھر سایۂ شجر جائے

خلوتوں میں نہ انجمن میں لگے
کوئی بتلائے دل کدھر جائے

اس کے تیور ذرا بدلنے سے
اپنی ترتیب ہی بکھر جائے

اس میں قوس و قزح کے رنگ بھریں
جس سے یہ زندگی سنور جائے

اسکی یادوں میں کھونے لگتی ہوں
چھو کے ساحل کو جب لہر جائے

غم کی بھٹی میں گر چکی رضیہ
کاش کندن بنے نکھر جائے

تم رہو گے فلک نشیں کب تک
ہم جھکاتے رہیں جبیں کب تک

کھل کے ہو جائے دشمنی ہم سے
سانپ ہوں زیرِ آستیں کب تک

زندگی بے ثبات ہی تو نہیں
حُسن کا سایۂ حسیں کب تک

جس میں گھر جیسی کوئی بات نہیں
اس مکاں میں رہیں مکیں کب تک

کچھ تو مثبت ہو تیرا ردِّ عمل
اپنے اقرار میں نہیں کب تک

کر حقیقت کا سامنا رضیہ
معتبر سایۂ حسیں کب تک

کبھی نہ وقت، مقرر سے قبل گل ہو گا
چراغِ زیست کو چاہے جہاں کہیں رکھو!

وقت کو حلقۂ زنجیر کیا
میں نے ہر لمحے کو تسخیر کیا

جو ترے جور و ستم تھے ان کو
لطفِ پیہم سے ہی تعبیر کیا

بخت کس طرح سے بدلیں جس کو
کاتبِ وقت نے تحریر کیا

اپنی آنکھوں کو ترے نام کیا
اور دل کو تری جاگیر کیا

جن کے بکھرے ہوئے تنکے رضیہ
آشیاں شاخ پہ تعمیر کیا

سبھی چراغ محبت کی روشنی لائے
یہ آنکھ جس کی رہی منتظر نہیں آئے

نہیں ہے تجھ سے تو امکانِ ہمرہی باقی
اب اور کون ترے ساتھ دور تک جائے

دلیل جوشِ محبت نہ دے سکے اے دوست
کہ عمر بیت چکی آنچلوں کو لہرائے

کسی کا پاسِ وفا تھا کہ کچھ نہ کہہ پائے
وگرنہ ہم بھی ترا نام لب تلک لائے

شبِ وصال اسے کب نصیب اے رضیہ
محیط جس پہ سدا شامِ ہجر کے سائے

بساطِ دل پہ قدموں کے نشاں ہیں
کہ ہم اب تک اسیر ددستاں ہیں

ہوئے ہیں لازم و ملزوم دونوں
ہیں کشتی ہم وہ اپنا بادباں ہیں

سدا قائم یہ کاروبارِ ہستی
دلوں کے سلسلے تو رفتگاں ہیں

بظاہر جو لب خنداں ہیں رکھتے
کسے معلوم کتنے شادماں ہیں

فضا میں گونج ان کی دور تک ہے
جنونِ عشق میں جو بے زباں ہیں

وہاں تک صبح کی ہوگی رسائی
جہاں تک ظلمتوں کے کارواں ہیں

عمر کاٹی تھی طلب میں جن کی
اب وہ لمحات ہمیں کاٹتے ہیں

تیرِ ستم کسی کا جو دل میں اتر گیا
طوفان سر سے شورشِ غم کا گذر گیا

کیوں فکرِ تیرگیٔ شب غم رہے مجھے
آنکھوں میں نور بن کے وہ چہرہ اتر گیا

مجھ کو تو ضبطِ غم نے تونگر بنا دیا
بیکار بہرطور نہ زخمِ ہنر گیا

جتنی بساط اپنی تھی اتنی اُڑان بھی
یہ عذر بے سبب ہے کہ ہر بال و پر گیا

آنکھیں کسی بھی طور نہ پوشیدہ رکھ سکیں
چھلکی ہیں جب بھی ساغرِ دل غم سے بھر گیا

رضیہؔ نے بزمِ دوست میں ہونٹوں کو سی لیا
پر کیا کریں جو کوئی نگاہوں سے ڈر گیا

جان پہ کھیل کے جیتا ہو جسے
اس کو میں جان کے ہاروں کیسے

شاخِ گل آج تک بے ثمر ہی رہی
دل کو اک بے کلی عمر بھر ہی رہی

اپنے اپنے نصیبوں کی ہے بات یہ
شب مقدر کی یہ بے سحر ہی رہی

لوگ دامن بچا کر چلے بھی گئے
ہر خطا کی سزا اپنے سر ہی رہی

کتنے مفہوم پنہاں تھے الفاظ میں
گفتگو آپ کی مختصر ہی رہی

خواب بکھرے تصور کے پرزے اڑے
خواہشِ دل یونہی دربدر ہی رہی

غموں کے روبرو سینہ سپر ہوں
خوشی کی ساعتوں کی منتظر ہوں

اگر ہیں بے ثمر شاخیں تو کیا غم
گھنا سایا ہے جس کا وہ شجر ہوں

چمکتے ہیں جہاں جگنو سے پتھر
جہانِ عشق کی وہ رہگزر ہوں

پناہیں میری باہوں میں میسر
سکونِ دل سے میں لبریز گھر ہوں

دیارِ بے ہنر میں آج رضیہ
یقیناً میں ہی یکتائے ہنر ہوں

غرض جس میں ہو ایسی دوستی اچھی نہیں ہوتی
کسی سے بے سبب بھی دشمنی اچھی نہیں ہوتی

لبوں کو سی تو لیں گے ہم زمانے کے تغافل پر
طبیعت میں مگر یہ سادگی اچھی نہیں ہوتی

زمانے کی مخالف سمت چلنے میں خسارہ ہے
ہواؤں کی دیئے سے دشمنی اچھی نہیں ہوتی

وفا کے دشت میں ہم کو گوارا ہر ستم لیکن
نگاہِ یار کی بس بے رخی اچھی نہیں ہوتی

شک و شبہات کا امکاں گلے شکوؤں کی گنجائش
محبت کی لغت میں بر ہی اچھی نہیں ہوتی

جہاں پر جذبۂ دل کی فراوانی کی حاجت ہو
وہاں پر دردِ الفت میں کمی اچھی نہیں ہوتی

تصور میں نظاروں پر عجب برسات ہے رضیہ
کہا کس نے آنکھوں میں نمی اچھی نہیں ہوتی

کٹ گئی ہجر کی یہ رات تو کیا
اُن سے ہو اب جو ملاقات تو کیا

جب ضرورت رہی عنقا تھے بہت
اب چھلکنے لگے جذبات تو کیا

دل ہی جب نفی تیری کرتا ہو
پھر رکھا ہے ترے اثبات میں کیا

روح کی پیاس وہیں جوں کی توں
بام و در پر ہوئی برسات تو کیا

گوشۂ دل میں تو ہے غم تیرا
در پہ ہو خوشیوں کی بارات تو کیا

جن کو جینے کا ہنر ہو رضیہ
ان کو درپیش ہوں صدمات تو کیا

انتظار

جب سر شام ہوا گھر لوٹے
میری نظریں کسی پردیسی کی آمد کے لیے
دل کے دروازے کا تالا کھولے
منتظر ہوتی ہیں ...... اب آجاؤ

نغمگی ہونٹوں پہ لہجے میں ترنم دیکھوں
جب بھی دیکھوں میں اسے حسنِ مجسم دیکھوں

وہ سرِ بزم جو ٹکرائے کبھی حادثتاً
اس کو محسوس کروں خوب اسے کم دیکھوں

کل تلک جشنِ بہاراں میں مگن تھے احباب
آج لیکن انہیں شاملِ صفِ ماتم دیکھوں

اُس کی قربت میں تو بے رنگ بہاریں گزریں
وہ جدا ہو تو ذرا دوری کا موسم دیکھوں

زخمِ بیمار کو تم جس سے جلا دیتے تھے
چارہ گر لاؤ ذرا آج وہ مرہم دیکھوں

ذہن میں جب بھی اُبھر آتا ہے ماضی رضیہ
اپنی پلکوں پہ تری یاد کی شبنم دیکھوں

جو بھی آپس میں وفا بانٹتے ہیں
وہ محبت کی سزا کاٹتے ہیں

ہوگیا وہ دُور میرِ کارواں ہونے کے بعد
کون آتا ہے زمیں پر آسماں ہونے کے بعد

جب تلک اپنا نہیں تھا کچھ بہت آزاد تھے
ہوگئے پابند وقفِ آشیاں ہونے کے بعد

جذبِ الفت میں سدا آتے ہیں دو مشکل مقام
اک عیاں ہونے سے پہلے اک عیاں ہونے کے بعد

جب تلک زندہ حقیقت تھے نہ پہچانے گئے
اک حقیقت بن گئے ہم داستاں ہونے کے بعد

ہم سمجھ پائے نہ شہرت اور رسوائی کا فرق
جوش آیا ہے ہمیں تو رائیگاں ہونے کے بعد

تم پہ شاید یہ حقیقت اب نہ رضیہ کھل سکے
یاد آئیں گے بہت ہم رفتگاں ہونے کے بعد

کسی کی ذات سے وابستگی نہیں اچھی
میں جان بوجھ کے ہوں مبتلا اذیت میں

•

جب کبھی غم کو آشکار کیا
چشمِ بینا کو سوگوار کیا

چھیڑ کر پھر صبا نے سازِ دل
بلبل و گل کو اشکبار کیا

سر جھکایا انا کی چوکھٹ پہ
اپنی ہستی کو بردبار کیا

ابنِ آدم کو جس سے روکا تھا
وہ گناہ اس نے بار بار کیا

اک تمہارے قرار کی خاطر
اس زمانے کو بے قرار کیا

ہم کو طوفان میں چھوڑ کر رضیہ
خود کو ساحل سے ہمکنار کیا

جو حوصلے کے ساتھ چلے' خوف کے بغیر
وہ لوگ انتظار کی زحمت سے بچ گئے

باغِ ہستی سدا نکھار گئے
خود اُجڑ کر ہمیں سنوار گئے

اب وہ ساتھی کہاں میسر ہیں
ہم کو ساحل پہ جو اتار گئے

ان کی کوئی خبر، خبر نہ رہی
جو سمندر کے آر پار گئے

حوصلہ جن کو ہو گزاریں گے
ہم تو اس زندگی سے ہار گئے

کوئی شکوہ نہیں گلہ بھی نہیں
ہم کو بے موت ہی جو مار گئے

جس نے جینے کی راہ بتلائی
زندگی ہم اسی پہ وار گئے

کس قدر کم نصیب ہیں رضیہ
چھوڑ کر دامنِ بہار گئے

مرے لہجے میں بولے جارہا ہے
وہ میرے دل کو توڑے جارہا ہے

نے طوفان سے بچا آ گیا تھا
ی ساحل کو چھوڑے جارہا ہے

پے در پے ستم سے اک شناسا
کئی اصنام توڑے جارہا ہے

وہ اک کہنہ شکاری کی طرح سے
ستم کے تیر چھوڑے جارہا ہے

وہ برکھا میں میری دیوارِ دل پر
ہزاروں رنگ چھوڑے جارہا ہے

مسائل رُوبرو ہیں اس کے رضیہؔ
وہ لیکن پیٹھ موڑے جارہا ہے۔

وقت مجھ کو بہا کے لے جائے
اور تم سوچتے ہی رہ جانا

دل سے ہر روگ اور وبال گیا
وقت کے ساتھ ہی ملال گیا

کچھ خوشی میں مزا نہ غم میں سُرور
جب سے دل سے ترا خیال گیا

عشق کی راہ پہ خطر ٹھہری
اس ڈگر سے ہر اک نڈھال گیا

بھیک کشکول میں گرے جیسے
اک نظر ایسی مجھ پہ ڈال گیا

ہجر میں اس کے عمر بیت گئی
دے کے جو لمحۂ وصال گیا

خود کو اُس کے سپرد جس نے کیا
اس زمانے سے خوش خصال کیا

ہم نے بھی چھوڑ دی منجدھار میں کشتی اپنی
اب کہاں کوئی کشش اپنے لیے ساحل میں

ظلم جب تک یونہی ہم پہ ہوتے رہے
ہم بھی اشکوں میں خود کو ڈبوتے رہے

دفن کر کے دلوں کی سبھی حسرتیں
تم بھی روتے رہے ہم بھی روتے رہے

غم کے آسیب کے سائے میں ہم رہے
بوجھ اس زندگانی کا ڈھوتے رہے

کس سبب ہم زمانے سے نالاں رہیں
ہم نے کاٹا وہی جو بھی بوتے رہے

دل کی کھڑکی کی قسمت میں تھا جاگنا
راستے پر مقدر کے سوتے رہے

اُن کی آنکھوں میں تقدیس روشن رہی
دل کا دامن جو رضیہ بھگوتے رہے

جو مجھ سے بات ہو واضح صاف ہو سچ ہو
نہیں مجھے یہ گوارا اگر مگر میں رہوں

جب تری دید کا امکان رہے
دل میں اک حشر کا سامان رہے

بخت اک بار وفا کر جائے!
یاد تجھ کو ترا پیمان رہے

کوئی تو ہو جو سمجھ لے مجھ کو
دل میں بس اک یہی ارمان رہے

مصلحت کا یہ تقاضا سمجھو
جان کر ہم انہیں انجان رہے

زعم کرتے رہے دانائی پہ
عمر بھر ہم یونہی نادان رہے

اس کو اتنا ہی کریں گے برہم
کہ منانے کا بھی امکان رہے

اپنے جینے کا ہو انداز عجب
اپنے مرنے میں بھی اک شان رہے

ساتھ مل جائے کسی کا رضیہؔ
زیست کو موت بھی آسان رہے

دشت وفا میں جب نہ کوئی راستہ ملا
دل کو تمہاری یاد کا پھر حوصلہ ملا

اک تم ہی کج ادائی سے گھائل نہیں رہے
کیسے کہیں کہ ہم کو بھی اک بیوفا ملا

اب انتہاء عہدِ وفا کیا کرے کوئی
جب اپنی چاہتوں کا نہ کوئی صلہ ملا

پابندِ آشیاں نہ دل و جان کر سکے
وہ گلشن حیات میں مثلِ صبا ملا

موجِ نشاطِ بزم طرب ہے خیال و خواب
ہر شخص دامِ غم میں یہاں مبتلا ملا

نازِ نیازِ دوست کا اک ہے یہی سبب
جینا ہوا محال وہ جب بھی خفا ملا

دل معجزاتِ عشق کا قائل سدا رہا
جو جستجو میں آگ کی نکلے خدا ملا

رضیہؔ بھٹکتی روح کو آسودگی ملی
جب محورِ حیات میں اک در کھلا ملا

مصرع طرح چاند کے ہمراہ.......... کرتے رہے

جلوۂ صد رنگ کو وقفِ نظر کرتا رہا
حسنِ فطرت کو ہمیشہ ہمسفر کرتا رہا

زندگی کو اپنی فطرت کی نذر کرتے رہے
چاند کے ہمراہ شب بھر ہم سفر کرتے رہے

شوخیِ تقدیر اس نے بھی نہ پہچانا ہمیں
جس کی خاطر خاک اپنی دربدر کرتے رہے

موردِ الزام ٹھہرایا ہمیں ہر بات پر
اور ہم ہر بات اس کی درگذر کرتے رہے

اس کی باتوں کو خزینہ جان کر دل میں رکھا
اس کے جلووں کو سدا وقفِ نظر کرتے رہے
شگوفوں کو سدا صرفِ نظر کرتا رہے

لوگ اک ادنیٰ مفادِ زندگانی کے لیے
کتنی ہی شاخِ شجر کو بے ثمر کرتے رہے

اک تری قاتل نظر میں جان اٹکی رہ گئی
مرہمِ جاں گو کہ ہر دم چارہ گر کرتے رہے

کر دیا خاموش یہ کہہ کر ہمیں شیطان کے
خیر گر تم نے کیا تو ہم بھی شر کرتے رہے
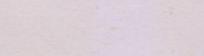
جب تمہاری نظر بدلتی ہے
پھر طبیعت کہاں سنبھلتی ہے

دل میں انبار خواہشوں کے مگر
حسرتِ دل کہاں نکلتی ہے

خواہش ناتمام سینے میں
بن کے لاوا سدا پگھلتی ہے

منتظر رہتی ہوں سحر کی بھی
شامِ غم آنسوؤں میں ڈھلتی ہے

وہی رضیہ ہے زندگی کا سبب
اس کے دم سے ہی نبض چلتی ہے

دن گراں ہے تو رات بھاری ہے
اب تو ہر لمحہ بیقراری ہے

تو مسلسل ہے دل کی دھڑکن میں
سانس تیرے بغیر آری ہے

جس نے پایا مزا محبت کا
اس پر اب تک خمار طاری ہے

جس میں زخمِ وفا کے پھول کھلیں
گلستاں وہ خزاں سے عاری ہے

دن تو ہنگام کی نذر رضیہ
رات کا کیا ہو اتنی بھاری ہے

کتنے جاں سوز مراحل سے گزر جاتے ہیں
ہائے وہ لوگ جو اپنوں سے بچھڑ جاتے ہیں

ایک اسکے نہیں ہونے سے مرے شام و سحر
اشک بن کر میری آنکھوں میں اتر جاتے ہیں

شامِ ہجراں جو گزر جائے تو پھر صبحِ وصال
پھول گلشن میں ہر اک سمتِ بکھر جاتے ہیں

کوئی لوٹا جو سفر سے تو یہ معلوم ہوا
کس طرح بگڑے ہوئے بخت سنور جاتے ہیں

اس قدر پاسِ وفاداری ہے رضیہؔ کے بغیر
اپنی معصوم سی خوشیوں سے بھی کتراتے ہیں

زمین اپنی تو اپنا یہ آسمان بھی تھا
ہوا کے رُخ پہ کبھی اپنا بادبان بھی تھا

یوں بدگمان ہوا تجھ سے ایک لمحے میں
وہ دل کہ تیرے ہی جذبوں کا ترجمان بھی تھا

خود اپنے ہاتھوں سے ڈھایا ہے وہ بُتِ کافر
سدا جو خانۂ دل میں بڑا مہان بھی تھا

میں جس کی دھوپ میں جلتی رہی سلگتی رہی
وہ اک شجر تھا گھنا جس کا سائبان بھی تھا

نہ جانے ٹوٹ گیا کیسے سلسلہ رضیہؔ
وہ ربط کا جو کبھی اپنے درمیان بھی تھا

خواب کو خواب ہی رکھا ہم نے
دل کو بیتاب ہی رکھا ہم نے

ہوں نہ ارزاں یہ گہر سے آنسو
ان کو زر تاب ہی رکھا ہم نے

دل وہ جاگیر کہ تقسیم نہ ہو
اس کو کمیاب ہی رکھا ہم نے

دل کے ہر جذبۂ صادق کو سدا
جنسِ نایاب ہی رکھا ہم نے

راس کشتی کو نہیں ہے ساحل
وقفِ گرداب ہی رکھا ہم نے

نفسِ مضمون سمجھ لیں گے وہ
خط میں القاب ہی رکھا ہم نے

زندگانی کے ورق پہ رضیہ
عشق کا باب ہی رکھا ہم نے

جب بھی مل جائے مسکراتا ہے
رشتۂ دوستی نبھاتا ہے

لبِ خنداں کی آرزو بے سُود
شیوۂ عشق تو رُلاتا ہے

لاکھ راہِ فرار حاصل ہو
بارِ ہستی مگر اُٹھاتا ہے

یہ ستم ہے کہ دل نہ چاہے پہ
ہاتھ دشمن سے بھی ملاتا ہے

روح ویراں کھنڈر سہی لیکن
جسم ہر طور سے سجانا ہے

وحشتوں میں یوں دربدر کب تک
اک نہ اک روز گھر تو جانا ہے

دل کے روشن چراغ سے رضیہ
ظلمت شب کو جگمگانا ہے

کسی کے آگے نہ دستِ سوال رہنے دیا
خودی کا پاس بہ حدِّ کمال رہنے دیا

فضا بھی خوب رہی بال و پر بھی قائم ہیں
رہائی راس بھی آئی تو جال رہنے دیا

کوئی جواز رہے تم سے اپنی دُوری کا
سو میں نے شیشۂ دل پر یہ بال رہنے دیا

کوئی تو راہ نکل آتی وصل کی لیکن
تمہارے ہجر کا دل میں ملال رہنے دیا

کہیں نہ شدتِ غم سے چھلک پڑیں آنسو
بقدرِ ظرف ہی رنج و ملال رہنے دیا

بس ایک تمہارا تصور بسا لیا دل میں
اور اس کے بعد تو ہر اک خیال رہنے دیا

تمام رشتوں کی زنجیر توڑ کر آخر
بس ایک رشتۂ الفت بحال رہنے دیا

ہے اس حکیم کی یہ حکمتِ نہاں رضیہ
کہیں عروج کہیں پر زوال رہنے دیا

جب بھی وہ مجھ سے خفا ہوتا ہے
درد سینے میں سوا ہوتا ہے

اس طرح دل میں بسا ہے کوئی
جیسے کعبے میں خدا ہوتا ہے

جس پہ اس درجہ عنایات رہیں
اس پہ کب ظلم روا ہوتا ہے

جس نے دیکھی ہو زمانے کی جفا
وہی پابندِ وفا ہوتا ہے

آس ملنے کی سلگ اٹھتی ہے
جیسے ہی کوئی جدا ہوتا ہے

جو کبھی مثلِ رگِ جان رہا
وہ بدل جائے تو کیا ہوتا ہے

قطعہ

دل کو تسخیر نہیں کرسکتے
وہ جو تعظیم نہیں کرسکتے

صنف نازک کوئی جاگیر نہیں
اس کو تقسیم نہیں کرسکتے

خواہشِ دل مری ڈگمگانے کو ہے
کوئی طوفان پھر سر اٹھانے کو ہے

ہو گئے یک بیک مجھ پہ یوں مہرباں
آج تقدیر بھی مسکرانے کو ہے

اہلِ دل بزمِ یاراں میں کیونکر چلیں
کوئی سامان دل کے لبھانے کو ہے

لاکھ اپنی وفاؤں کا دے دو یقیں
پھر بھی دل یہ تمہیں آزمانے کو ہے

کاوشِ مستقل کب گئی رائیگاں
اپنی سادہ دلی رنگ لانے کو ہے

ایک ابرِ مسرت ہے چھایا ہوا!
غم کا سایہ مرے دل سے جانے کو ہے

پوری دنیا ہو گہوارۂ آشتی
یہ تمنا تو سارے زمانے کو ہے

وہ مثلِ گل مہک جائے تو اب کیا فرق پڑتا ہے
جو بن کے خار چبھ جائے تو اب کیا فرق پڑتا ہے

زمانے کے حسیں کینوس پہ اس کی چاہتوں کا رنگ
فریب آس دکھلائے تو اب کیا فرق پڑتا ہے

وہ ساعت جس کی تھی میں منتظر مدت سے ماضی میں
وہ لمحہ حال بن جائے تو اب کیا فرق پڑتا ہے

میرے جذبِ صداقت کی گواہی پا کے وہ دل سے
اگر ایمان لے آئے تو اب کیا فرق پڑتا ہے

مجھے اس کی طلب تھی جب وہ مجھ سے دور کوسوں تھا
اگر وہ پاس بھی آئے تو اب کیا فرق پڑتا ہے

ہمیشہ سے زمانہ ساز تھا' اک شخص جو اسکی
متاعِ جاں بھی لٹ جائے تو اب کیا فرق پڑتا ہے

کبھی جو لوحِ دل پہ نام لکھا تھا محبت سے
وہ بن کے حرف مٹ جائے تو اب کیا فرق پڑتا ہے

وہ میری روحِ مردہ میں' جو بن کے چارہ گر رضیہ
وفا کا رنگ بھر جائے تو اب کیا فرق پڑتا ہے

تم جسے رنج محبت • سمجھے
ہم اسے فرضِ عبادت سمجھے

زندگی اس کو تو دشوار نہیں
جو مصیبت کو بھی راحت سمجھے

سائلِ عشق تری محفل میں
جنبشِ لب کو سخاوت سمجھے

آخری حد ہے یہ کم فہمی کی
دوستی کو بھی عداوت سمجھے

عشق کا حاصلِ معراج یہی
دوریوں کو بھی رفاقت سمجھے

اس کو رضیہ کا یقیں کیونکر ہو
جو محبت کو بناوٹ سمجھے

بیان حسن کو حسن بیاں ضروری ہے
نظر کے ساتھ نظر کی زباں ضروری ہے

جو بہت شادماں سے گزرے ہیں
وہ بڑے امتحاں سے گزرے ہیں

دیر تک وحشتیں رہیں دل پر
جب بھی اپنے مکاں سے گزرے ہیں

جن کے تیر و کماں کے ہم تھے ہدف
ان کے ہی درمیاں سے گزرے ہیں

شدتِ غم کی دھوپ میں جل کر
ہم ہر اک سائباں سے گزرے ہیں

زعم اپنی افادیت پہ رہا
گو بہت رائیگاں سے گزرے ہیں

وہ کبھی لوٹ کر نہیں آئے
جو بھی تیرے جہاں سے گزرے ہیں

نظر کے ساتھ دلوں کا قرار چاہتے ہیں
چمن میں دائمی رنگِ بہار چاہتے ہیں

ہیں خوش گمان کچھ اتنے تمہارے سودائی
تمہارا در نہیں ممکن تو دار چاہتے ہیں

نہ ڈگمگائیں قدم جادۂ محبت میں
ہم اپنی ذات میں ایسا خمار چاہتے ہیں

غمِ زمانہ کے یوں تو ہیں تیر پیوستہ
کسی کا تیرِ ستم آر پار چاہتے ہیں

بلندیاں ہوں قدم بوس رُوبرو رضیہ
دلِ شکستہ مگر پُروقار چاہتے ہیں

دام سے اس کے نکل کر دیکھیں
بام و در اپنے بدل کر دیکھیں

تپتے صحراؤں میں ارمانوں کے
پاؤں ننگے کبھی چل کر دیکھیں

غیر کی چھاؤں میں رُکنا کیسا
اپنی ہی دھوپ میں جل کر دیکھیں

کاش ایسا ہو کبھی ہم خود کو
تیرے آئینے میں ڈھل کر دیکھیں

کاتب بخت پہ شاکر ہو کر
وقت کی گود میں پل کر دیکھیں

دل کی تہہ تک وہ پہنچ ہی جائے
لاکھ ہم رنگ بدل کر دیکھیں

توڑ کر ضبط کے سارے بندھن
جی میں آتا ہے مچل کر دیکھیں

لغزشوں کا جو سبب ہے رضیہ
اس کی خاطر ہی سنبھل کر دیکھیں

کوئی بھی صورتِ تسکینِ غم نہیں ہوتی
تمہاری یاد مرے دل سے کم نہیں ہوتی

جہاں بھی جاؤں مرے ساتھ تیرا سایا ہے
بغیر تیرے کہیں محترم نہیں ہوتی

ہر ایک سانس میں پیغامِ زندگی تو نہیں
ہر ایک راہ بھی راہِ عدم نہیں ہوتی

وفا کا ساتھ نبھانا ہے آخری دم تک
جو ٹوٹ جائے وہ ہرگز قسم نہیں ہوتی

نگاہ و دل کے بھی سلسلے تو ختم ہوئے
مگر یہ حسرتِ دیدار کم نہیں ہوتی

چھپی ہے دل میں جو اک داستانِ غم رضیہ
کسی بھی طور وہ مجھ سے رقم نہیں ہوتی

قطعہ

دُور اس پار سمندر کے اُتر جانے دو
یہ سفر ختم کرو، اب مجھے گھر جانے دو

کھیل نفرت کے محبت کے خوشی کے غم کے
میں بہت کھیل چکی اب مجھے مرجانے دو

جذبۂ دل کی ناتوانی تھی
ورنہ منزل تو ہم کو پانی تھی

عشق کی راہ میں جو کام آتے
زندگی اپنی جاودانی تھی

تم جسے ساحلوں پہ چھوڑ آئے
اپنے اشکوں کی وہ روانی تھی

تم عبث زندگی سے نالاں تھے
یہ گھڑی غم کی آنی جانی تھی

آ گئے خلوتِ خیال میں تم
شام پھر کس قدر سہانی تھی

کشتیوں کی رسائی ساحل تک
موجِ دریا کی مہربانی تھی

نہ ملوں تم سے عمر بھر رضیہ
میرے دل نے یہ بات ٹھانی تھی

تو کہ اس دہر میں جہاں بھی رہے
تیرے قدموں میں آسماں ہی رہے

مشکلیں ہوں کہ ہو تن آسانی
زندگی یہ رواں دواں ہی رہے

تادمِ مرگ رازِ حسن و وفا
دل کے گوشے میں یہ نہاں ہی رہے

جس جگہ ڈر نہیں بکھرنے کا
بوجھ ہستی مری وہاں ہی رہے

لاکھ اذنِ کلام حاصل ہو
پر زباں یونہی بے زباں ہی رہے

مدتوں روح میں ہو سرشاری
میری آنکھوں میں وہ سماں ہی رہے

جسم پر غم کا بوجھ لاد تو لوں
دل تو لیکن یہ شادماں ہی رہے

حسن جب بھی عشق سے ملنے لگا
میکدے کا راستہ کھلنے لگا

کیا گلستاں میں کوئی آنے کو ہے
پھول ہر اک شاخ پر کھلنے لگا

ہے تیری چشمِ عنایت کا اثر
طاقِ دل میں اک دیا جلنے لگا

زخمِ دل کو کیا رفوگر کی طلب
جب مرے اشکوں سے وہ سلنے لگا

اس سفر میں تھی کبھی تنہا مگر
ساتھ رضیہ وہ میرے چلنے لگا

دل تمہارا جو پُر ملال ہوا
اپنے دل کا عجیب حال ہوا

کیوں کرے فکرِ بال و پر طائر
جب پسند اس کو اپنا جال ہوا

پاس جس کا نہیں جواب کوئی
عمر بھر مجھ سے وہ سوال ہوا

رنج و آلام ہی نہیں رضیہ
دل مسرت سے بھی نڈھال ہوا
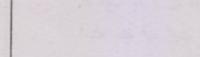
کسی کی حسنِ نظر کا مجھے خمار کہاں
چمن میں میرے بھلا موسمِ بہار کہاں

کسی کسی کو میسر ہے آگہی کا سُرور
وگرنہ رازِ محبت ہے آشکار کہاں

کھلا گئی ہے مجھے مثلِ گل تمہاری نظر
چمن میں ورنہ مرے سایۂ بہار کہاں

کہاں وہ جذبِ محبت جو دل کو چھو جائے
خموشیوں سے جو ٹکرائے وہ پکار کہاں

جو اپنی ذات کے پندار میں اسیر رہے
ہوا نصیب انہیں روح کا قرار کہاں

جو ایک بار ترے در پہ حاضری دیدے
اسے ہے قیدِ محبت سے پھر فرار کہاں

اٹھائے زادِ سفر کب تلک چلوں رضیہ
جلائے رکھوں یہاں شمعِ انتظار کہاں

تم نے اک بار پکارا ہوتا
دل کو ہر زخم گوارا ہوتا

قربتیں گر تری حاصل ہوتیں
پھر تو منجدھار کنارا ہوتا

نہ بکھرتا کبھی شیرازۂ دل
تو اگر اپنا سہارا ہوتا

کس کو ارماں ہے متاعِ زر کا
بس وہ اک شخص ہمارا ہوتا

غرقِ دریا تو نہ ہوتے رضیہ
بوجھ کشتی سے اتارا ہوتا

باغِ ہستی ہرا بھرا دیکھوں
تیرے چہرے کو چاند سا دیکھوں

میں سیاہ رات میں جلا کر دل
تیری یادوں کا سلسلہ دیکھوں

خار دامن سے گر الجھ بھی گئے
پھول گلشن میں خوشنما دیکھوں

کارِ بیکار ہی سہی لیکن
گھر کا ویران راستہ دیکھوں

دھند آنکھوں میں چھا گئی رضیہ
تا بہ حدِ نگاہ کیا دیکھوں

ہر خوشی سے ہم جو بیگانے ہوئے
ایک پل میں شہر ویرانے ہوئے

دل سے خوں ٹپکا نگاہوں سے نہیں
ضبط کے لبریز پیمانے ہوئے

ہر کسی کے ہاتھ میں پتھر ملا
کس لیے یہ لوگ دیوانے ہوئے

اس مقامِ بے حسی تک آ گئے
آج ہم ہر شے سے بیگانے ہوئے

خلوتوں میں تھے رگِ جاں کی طرح
بزم میں جو لوگ انجانے ہوئے

ایک اک کر کے لٹا دی زندگی
گردِ شمع جو بھی پروانے ہوئے

اک جہاں رضیہ ہے شیدائی ترا
کیا ہوا جو ہم بھی دیوانے ہوئے

بزمِ ویراں کو سجا لیتے تو اچھا ہوتا
جشن اک بار منا لیتے تو اچھا ہوتا

تم نے ناحق ہی کسی اور کو سونپی ہستی
بوجھ خود اپنا اٹھا لیتے تو اچھا ہوتا

سرد اک آگ جو مدت سے لگی ہے دل میں
اپنے اشکوں سے بجھا لیتے تو اچھا ہوتا

ہم نہ ہوتے کبھی یہ گردشِ دوراں کا شکار
وقت کا ساتھ نبھا لیتے تو اچھا ہوتا

وقتِ رخصت کا گزرنے پہ ہمیں ہوش آیا
اس کو سینے سے لگا لیتے تو اچھا ہوتا

دل میں گمنام اک کسک سی ہے
پھر بھی جینے کی اک ہمک سی ہے

جانے بھیگی ہوں کونسی رُت میں
میرے احساس میں مہک سی ہے

وہ بھی پیاسا ہے میں بھی پیاسی ہوں
ہم میں یہ قدر مشترک سی ہے

صبح کے رنگ نکھر جانے دو
ظلمتِ شب کو گزر جانے دو

لمحۂ فکر کے قیدی نہ بنو
گیسوئے وقت بکھر جانے دو

وقت کو روک سکو تو روکو
نہ رکے گر تو گزر جانے دو

نغمۂ عیش و طرب گونج اٹھے
شب کو اس طرح سنور جانے دو

ایک اک نقش تمہارا رضیہ
گوشۂ دل میں اتر جانے دو

جب بزمِ تمنا میں وہ دلبر نہیں ہوتا
آنکھوں کے لیے کوئی بھی منظر نہیں ہوتا

ممکن نہیں دل تک ہو کسی کی بھی رسائی
جب جسم کے زنداں میں کوئی در نہیں ہوتا

پھیلاؤ پروں کو جو بلندی کی طلب ہو
دریا کبھی کوزے میں سمندر نہیں ہوتا

ہر شاخِ ثمر جھکتی ہے بس ایک سبب سے
سایہ جو بڑھے قد سے تو برتر نہیں ہوتا

درویش کبھی شاہ صفت ہو نہیں سکتے
اور شاہ کبھی مست قلندر نہیں ہوتا

جب بھی کوئی اس آستاں سے اُٹھا
اس زمیں سے اُٹھا زماں سے اُٹھا

پھر تو لٹتے رہے قدم بہ قدم
میر جو رختِ کارواں سے اُٹھا

دسترس میں ہے اس کی دھوپ نہ چھاؤں
جو محبت کے سائباں سے اُٹھا

تب تحفظ کی فکر اپنی ہوئی
جب دھواں سا مرے مکاں سے اُٹھا

مجھ سے منسوب جو ہوا نہ کبھی
وہ مرے نام اور نشاں سے اُٹھا

سر پہ باندھے ہوئے کفن رضیہ
کوئی اس شہرِ بے اماں سے اُٹھا

غموں کی دھوپ میں جلنا محال ہوتا ہے
خوشی کی چھاؤں میں رکنا کوئی کمال نہیں

اب کیا ذرا سی بات کو اتنا بڑھائیے
یوں آپ میری بزم سے اُٹھ کر نہ جائیے

ہو جائے پھر محال سلجھنا بھی آپ کا!
دھاگوں کی طرح سے یوں الجھتے نہ جائیے

ہونے کو معتبر یہ اور لازمی ہے کب
وعدے سدا ہر ایک سے اپنے نبھائیے

کیونکر ہوا حیات میں یہ سانحہ عجب
رازِ نیاز و عشق سے پردا اٹھائیے

ہو فرصتِ حیات گھڑی یا کہ دو گھڑی
تب گوشۂ خیال میں دھیرے سے آیئے

ہے عرض پُروقار یہ رضیہؔ سے اب مری
مجھ کو میری حدوں سے گزر کر نہ چاہیے

محبت کی سزا پائی ہے میں نے اور اس نے بھی
مگر میں جذبۂ دل کو کبھی جھٹلا نہیں سکتی

ہم خود کو ان کے رنگ میں ڈھالے ہوئے تو ہیں
کچھ اپنی رنجشوں کے ازالے ہوئے تو ہیں

جب سے جلے ہیں یاد کے ڈیپک نگاہ میں
تاریک راستوں میں اجالے ہوئے تو ہیں

وہ خوش گماں ہوئے ہیں بہت اپنے ضبط پر
محفل میں خود کو ہم بھی سنبھالے ہوئے تو ہیں

اس قصہ ہائے دل پہ یہ حیرت ہے کس لیے
کچھ حادثے جہاں میں نرالے ہوئے تو ہیں

انجام گردشوں کا اے رضیہؔ بخیر ہو
بچے گرداب بساحلوں کے حوالے ہوئے تو ہیں

خواب نگر کی شہزادی کے خواب ادھورے رہتے ہیں
خط میں جیسے لکھے گئے القاب ادھورے رہتے ہیں

شبنم شبنم پلکوں پر کتنے ہی جگنو چمک اُٹھیں
لوحِ دل پر قلم ہوئے سب باب ادھورے رہتے ہیں

رعب جمالِ دوست ایسا دل پر اپنے طاری ہے
اسکی محفل میں سارے آداب ادھورے رہتے ہیں

جب تک دل کو قربت کا احساس نہیں ملتا رضیہ
تم سے ملنے کے سارے اسباب ادھورے رہتے ہیں

ہم نے اپنا عجیب حال کیا
دل محبت میں پائمال کیا

ہم نے پا کر حقیقتوں کا سراغ
زیست کو خواب اور خیال کیا

بول اُٹھیں خوشیاں اس کی
میری نظروں نے جب سوال کیا

اس کی خاطر مٹا دیا خود کو
ہم نے کتنا بڑا کمال کیا

جذب الفت میں گر تھی سچائی
کس لیے وقفِ ماہ وسال کیا

ہجر کی آرزو نہ وصل کی چاہ
عشق کو ہم نے بے مثال کیا

ساتھ جب چھوڑنا ہی تھا رضیہ
تم نے ناحق ہمیں نڈھال کیا

جو بھی آنکھوں میں خواب رکھتے ہیں
دل میں اک ماہتاب رکھتے ہیں

ساغرِ دل میں عکسِ روئے جمال
مثل اک آفتاب رکھتے ہیں

جو کہ ہر دور میں رہے شامل
دل کا ایسا نصاب رکھتے ہیں

دل میں ہم ایک بے وفا کی لگن
کس قدر بے حساب رکھتے ہیں

جو نہ ہم سے کبھی سوال ہوا
صرف اس کا جواب رکھتے ہیں

کوئی قاری نہ پا سکے رضیہؔ
گو کہ دل کی کتاب رکھتے ہیں

تڑپا کے مجھے اذنِ دہائی نہیں دیتا
وہ قید میں رکھتا ہے رہائی نہیں دیتا

کوئی آہٹ نہ کوئی سایا ہے
خانۂ دل میں کون آیا ہے

جس کا چرچا گلی گلی میں ہے
خلوتِ جاں میں وہ سمایا ہے

کیا غضب ہے کہ ہجر میں اسکی
وصل کا لطف ہم نے پایا ہے

جو دیا جل اٹھا تھا سینے میں
اشکِ غم سے اسے بجھایا ہے

کھو گئے راستے دھند لکے میں
جب بھی ہم نے قدم اٹھایا ہے

اُڑنے لگتی ہے پھول سے شبنم
دھوپ کا جس چمن پہ سایا ہے

یہ تو پتھر کا دیس ہے رضیہ
ہم نے مسکن کہاں بنایا ہے

ایک اک ہستی کا شیرازہ بکھرتا جائے گا
کاروانِ زندگی لیکن گزرتا جائے گا

ہم نہ ہوں گے تو قیامت کونسی آجائے گی
وقت مرہم بن کے ہر اک زخم بھرتا جائے گا

اک ذرا موسم خزاں کا بیتنے کی دیر ہے
دیکھنا پھر کس طرح گلشن نکھرتا جائے گا

ایک سی گردش زمانے کی نہیں رہتی سدا
حسن کا چڑھتا ہوا دریا اترتا جائے گا

اک دیا روشن کیا بجھ جائے گا اور اک دیا
کچھ اجڑتا جائے گا تو کچھ سنورتا جائے گا

کب تلک کرتے رہیں ہم درگزر رضیہ اُسے
اپنے وعدوں سے ہمیشہ جو مُکرتا جائے گا

قطعہ

اس نے جھک کر جو میرے پاؤں چھوئے
میں تو اڑنے لگی ہواؤں میں

وہ تقدس تھا اس کے چہرے پر
جیسے بچہ ہو ماں کی چھاؤں میں

میں ہوں سکوتِ دہر میں آشفتہ موج شام
مجھ کو گرفت کر لے یہ تیرا خیالِ خام!

میری سخاوتوں کی حدیں مجھ تلک نہیں
کرتی ہوں کائنات کی ہر شے تمہارے نام

محفل سے ایک شخص کے جانے سے یہ ہوا
روشن چراغ بزم کے گل ہو گئے تمام

منزل تو آستانے کو چھونے کا نام ہے
جب وہ نہیں نصیب تو پھر کیا سفر سے کام

اک عمر بیت جانے پہ پایا رفیقِ عمر
اب جستجو کو میری ہوئی فرصتِ تمام

محتاط زندگی کے سفر میں ہوئے جو لوگ
آغاز ہی سے کوچ کا کرتے ہیں اہتمام

مجھے سلگتی ہوئی رات کے اندھیروں نے
دیئے ہیں درد کے جلتے ہوئے کئی سورج

عارضِ گل پر یہ کیوں شبنم کے قطرے بہہ گئے
صحنِ گلشن میں وہ کیا پھر زیرِلب کچھ کہہ گئے

ایک وہ زخمِ محبت سے نہ جانبر ہو سکے
اور اک ہم ہیں کہ سارے ظلم ہنس کر سہہ گئے

کچھ تو اپنا بخت کچھ ان کی خطا شامل رہی
آرزوئے گل میں کانٹوں سے الجھ کر رہ گئے

لاج رضیہ کی سرِ محفل نہ آخر رہ سکی
جن کو پلکوں میں چھپایا تھا وہ آنسو بہہ گئے

جو میری صبحِ طرب شامِ غم میں شامل ہو
اسی کا ساتھ مری خلوتوں کو حاصل ہو

بحال ہو تو مرا جادۂ سفر لیکن
نہ پھر یہ شرطِ سفر ہو کہ کوئی منزل ہو

محبتوں کی تجارت کے ان سفیروں کا
مقامِ فکر و نظر زندگی میں کامل ہو

میرے لیے ہے بہت عمر ہی کا اک لمحہ
وہ لے کسی کو تمہارا وصال حاصل ہو

اسی کے دم سے ہے شاید یہ سانس کا رشتہ
وگرنہ زیست یہ کشتی بغیر ساحل ہو

گردشوں کو یوں بھی اپنی آزمائیں ہم کبھی
داؤ پر الفت کی بازی خود لگائیں ہم کبھی

خول سے باہر تخیل کے نکل آئیں نہ وہ
بزمِ امکاں میں اگر ان کو بلائیں ہم کبھی

شب گزیدہ ساحلوں سے جان تو چھوٹے ذرا
آسمانِ وقت کے مرکز پہ آئیں ہم کبھی

ہم سے الفت کے یہاں جتنے بھی دعویدار ہیں
وقت آنے پر انہیں بھی آزمائیں ہم کبھی

ان سے الجھے تو فقط اس آرزو میں دوستو
روٹھ جائیں وہ اگر ان کو منائیں ہم کبھی

اہلِ دانش ہاتھ رکھدیں نبضِ دنیا پر اگر
آپ بیتی اپنی اے رضیہ سنائیں ہم کبھی

میں اس سے ہو کے جدا کیسے جی سکوں گی بھلا
جو میرے سینے میں دل کی جگہ دھڑکتا ہے!

حصّہ نظم

محبت

محبت سنگ سے آئینہ سازی
محبت زہر سے نوشینہ بازی

محبت عام تجل دینا خوشی کو
محبت روگ لگ جاتا ہے جی کو

محبت ہر مصیبت ہنس کے سہنا
بھری دنیا میں تنہا ہو کے رہنا!

کب تک

غموں کے لمبے اداس رستوں پہ چلتے چلتے
میں تھک چکی ہوں
خزاں کا موسم، بہار کی رُت
مجھے تو کچھ بھی نہ راس آئے
دکھوں کی جلتی ہوئی فضا میں
ہر ایک دھڑکن دھواں دھواں ہے
کہیں کسی دشتِ بے نوا میں
خموشیاں ہی میری صدا ہیں
سمندروں کا عمیق پانی
کبھی ڈبوئے کبھی نکالے

ہواؤں کا سرسراتا آنچل
کبھی مچل کر کبھی سنبھل کر
مجھے ستائے مجھے رلائے
وفا کے نغمے جفا کے چرچے
میری کتابِ حیات میں کب
تھکن کی چادر خودی پہ لپٹے
نہ جانے کب تک اسی طرح میں
اداس رستوں پہ چل سکوں گی

ضرورت

میں اپنے ساتھ کتنے درد رکھوں
غم سمیٹوں، آفتیں، جھیلوں
کہ میرے راستے پُر پیچ ہیں
کانٹوں سے بکھرے ہیں
میرے ہونٹوں پہ نالے ہیں
مرے دل میں بلا کا درد ہے
اور روح گھائل ہے
یہاں پر حبس ایسا ہے کہ
میری سانسیں رُکتی ہے
یہاں آلودگی ایسی کہ

میرا دم نکلتا ہے
مجھے اس پُر گھٹن ماحول میں
تازہ ہوا کی سخت حاجت ہے
کہ یہ میری ضرورت ہے!

خواب جزیرہ

میں اپنے خواب جزیرے میں ایک بار چلوں

روش روش پہ جہاں چاہتوں کے پھول کھلیں
قدم قدم پہ جہاں روشنی کے سائے ہوں

زمیں پہ نیند کا سبزہ ہر ایک سمت اُگے
سکوں کے سائے ہر اک پیڑ کی امانت ہوں

سبک خرام صبا آنچلوں کو چھیڑ چلے
ہوا کے دوش پہ کوئل کی کوک لہرائے

جہاں پہ چاند بنے عکس تیرے چہرے کا
جہاں گھٹاؤں میں جھلکے تمہاری زلف کا رنگ

جہاں چمکتے ستارے تمہاری آنکھیں ہوں
جہاں پہ موجوں میں دھڑکے محبتوں کی لگن

یہ دشتِ خواب سے باہر بھی کاش ممکن ہو
تمہاری بانہیں سدا میرا اِنتظار کریں!

سوال

مجھ سے جب یہ جہاں سوال کرے
کس لیے ضبط کے حصار میں بند

اپنے جذبات کو چھپاتی ہوں
بند کلیوں میں مسکراتی ہوں

بادلوں سے یہ جھومنے کا فن
سیکھنے پر بھی میں نہ پاتی ہوں

کیوں سسکتی ہوں سرد راتوں میں
کیوں بھٹکتی ہوں میں فضاؤں میں
بے سبب اشک کیوں بہاتی ہوں
بے طلب شوق کیوں بڑھاتی ہوں

بے نشاں زخم کیوں لگاتی ہوں
بے سبب ٹھوکروں میں پلتی ہوں

بے تحاشا خوشی سے ڈرتی ہوں
کیا زمانے کو اب بتاؤں میں

زخم صد چاکِ دل دکھاؤں میں
مجھ کو تو صرف اتنا کہنا ہے

کہ زمانے نے جو دیا مجھ کو
میں نے لوٹا دیا وہی اس کو

تعبیر

میں ترے خواب کی تعبیر نہیں

کہ مرے پاؤں میں زنجیریں ہیں
رسم کی ریت کی دیواریں ہیں

مجھ پہ حاوی ہے سماجی لشکر
میرے قدموں میں بچھی غم کی ڈگر

چار دیواری کے زنداں میں ہوں دفن
طوق و زنجیر کا گہنا پہنے

مجھ پہ ہر شخص کا کڑیل پہرا
گھاؤ اس دل پہ بہت ہے گہرا

زیست کے خار سے دامن الجھا
جسم کیا روح سے بھی خون رسا

میرے انفاس میں سناٹا سا
دل کے سودے میں ہوا گھاٹا سا

فکرو اعمال تذبذب کے شکار
دیدۂ و دل پہ اداسی کی پھوار

آپ اپنے پہ مجھے حیرانی
ہے ہر اک سمت مرے ویرانی

ذہن پہ نقش بھی تصویر نہیں
میں ترے خواب کی تعبیر نہیں!

تکمیل

تجھ سے میرا کوئی رشتہ تو نہیں
کوئی بندھن کوئی وعدہ تو نہیں
کوئی پیمان کوئی ربط نہیں
کوئی اُمید نہیں آس نہیں
تو کسی دم بھی مرے پاس نہیں
تیرا ذمہ نہیں میری ہستی
میرا مرہون نہیں تیرا وجود
تو کسی اور نگر کا باسی
میں کسی اور جہاں کی مخلوق
تیرے افکار جدا ہیں سب سے

میرے اطوار الگ ہیں سب سے
تو میرا کوئی نہیں، کچھ بھی نہیں
پھر بھی جانے مجھے احساس ہے کیوں
کہ ترے بن میری تکمیل نہیں!

زخمِ دل

منجمد خواب ہیں پتھرائی ہوئی آنکھوں میں
برف سی جمنے لگی اُکھڑی ہوئی سانسوں میں

بام و در اُلجھے ہوئے بادِ صبا کھوئی ہوئی
دلِ ویراں میں ہے خاموش وفا سوئی ہوئی

میرے احساس کی چادر پہ کہاں کوئی شکن
میرے لہجے سے نمایاں کئی صدیوں کی تھکن

پردۂ فکر پہ قائم ترے پیکر کی جھلک
لمحۂ وصل سے منسوب ہے فرقت کی کسک

میری تنہائی کو ڈستے ہیں مرے شام و سحر
آزماتے ہیں بہت لوگ مری تابِ جگر

جسم پتھر سہی یہ دل تو دھڑکتا ہی رہا
شعلۂ درد سیاہ شب میں بھڑکتا ہی رہا

جذبۂ عشق سرِدار کبھی مر نہ سکا
وقت یہ زخم کسی طور مرا بھر نہ سکا

انتظار

یہ پنچھیوں کی اُداس آنکھیں
گلاب رستوں کی منتظر ہیں
گلاب رستے کہ جن کی خوشبو
قدم قدم پہ مچل رہی ہے
صبا خوشی کا پیام لیکر
اُداس رستوں پر چل رہی ہے
گھٹائیں مستی میں جھومتی ہیں
گلوں کے عارض کو تتلیاں بھی
بہت ہی دھیرے سے چومتی ہیں
زمیں پہ سبزے کی نرم چادر

فضا کو رنگیں کیے ہوئے ہے

بلند و بالا درخت کیسے

فلک کی وسعت کو چھو رہے ہیں

کہیں سرِ شاخ کوئی کوئل

محبتوں کی حسین دُھن پر

مدھر سا نغمہ سنا رہی ہے

ہر ایک شے گنگنا رہی ہے

مگر یہ دورِ بہار میں کیوں

خزاں کے گہرے اداس سائے

یہ بام و در پر اتر رہے ہیں

میں مثلِ پنچھی اداس بیٹھی

نہ جانے کب سے

گلاب رستوں کی منتظر ہوں

زندگی کی کرن

(میرے محسن پروفیسر شریف المجاہد کیلئے لکھی گئی نظم)

تجھ کو یہ سبز موسم مبارک رہے
یہ حسین ساعتیں راس آئیں تجھے
سوچتی ہوں کہ ایسی مبارک گھڑی
نذر کیا دوں تجھے؟
حرف!
صرف بنجر ہیں
جذبوں میں سچائیاں اب کہاں
خواب بے گھر ہیں اور بے اماں
روح ساکت'
زباں پتھروں کی طرح منجمد
میرا ہر اک بیاں اس طرح بے اثر
جس طرح موسمِ گل میں بھی
شاخ تازہ رہے بے ثمر
میرا احساس ہے بے زباں
میری سچائی ہے بے نشاں

میرے ادراک وافکار کی روشنی
مجھ کو کرنے لگی ہے کھنڈر
اور تو میرے محسن ہے' میرے لیے
ایک زندہ شجر
روشنی کا شجر
آگہی کا شجر
اس شجر میں کرم اور وفا کے ثمر
تیرے پھل پھول جینے کا پیغام دیں
مجھ کو انعام دیں
تیری شاخیں محبت کا سایہ لیے
مجھ پہ سایہ فگن ہر گھڑی' ہر قدم
تو ہے میرے لیے آگہی کی کرن
زندگی کی کرن!

دیوانہ

وقت کے پرستارو
مصلحت کے دلدارو

کیا خبر تمہیں کیا ہے جس کو تم نے دیکھا ہے
وہ ہے ایک آئینہ جس میں عکس ہے اپنا

ساعتوں میں بستا ہے سوچ میں سلگتا ہے
دھڑکنوں میں رہتا ہے سانس میں مہکتا ہے

اسکے خواب ارزاں ہیں راحتوں کا ساماں ہیں
میرے دل کا پیماں ہیں زندگی کا ارماں ہیں

حسن کی حقیقت وہ زیست کی صداقت وہ
دولتِ محبت وہ زندگی کی راحت وہ

رنگ و نور کی محفل میرا اور اس کا دل
دونوں ہو گئے گھائل عشق پر ہوئے مائل

سن لو اے جہاں والو سود اور زیاں والو
جسکو میں نے اپنایا تم سے مختلف پایا

مصلحت سے بیگانہ
وہ ہے میرا دیوانہ!

انجان

تم مرے پیار کے جذبے کو سمجھتے کب ہو
یہ تو ریشم سے بھی نازک ہے ہوا سے بھی نرم
یہ تو پھولوں سے حسیں، یہ تو ہے صبح کی شبنم
یہ وہ احساس کہ جادو کی طرح چھا جائے
اس کے پرتو سے نگاہوں میں حیا آجائے
یہ وہ پرچھائیں جو آنکھوں سے دلوں میں اترے
اس کی معصوم سی چاہت سے یہ گلشن نکھرے
اس کے دم سے ہی تو یہ رنگ گلستاں قائم
بعد اللہ کے یہ نام ہی ہو گا دائم
پر مرے پیار کے جذبے کو سمجھتے کب ہو!

اسپیشل چائلڈ

مجھ کو حیرت سے نہ دیکھو لوگو!
کیا سناؤں میں کہانی اپنی
کاتبِ وقت کی تحریر ہوں میں
یاس اور آس کی تصویر ہوں میں
میں ہوں بینائی سے محروم اگر
دل کی آنکھیں تو مری روشن ہیں
دیکھ سکتی ہوں مناظر ایسے
جو نظر والوں سے پوشیدہ ہیں!

مرا اک ہاتھ اگر سویا ہے
میں نے سب کچھ تو نہیں کھویا ہے
دوسرے بازو میں قوت ہے مرے
بار دنیا میں اٹھا سکتی ہوں
سر مغرور جھکا سکتی ہوں!
پاؤں چلنے سے ہیں معذور تو کیا
ذہن تو خوب ہے روشن میرا
میری پرواز تخیل ہے بہت
سوچ سکتی ہوں میں تم سے بہتر!
مجھ کو معذور سمجھنے والو!
مجھ کو بیکار سمجھنے والو!
تم کو یہ علم نہیں ہے شاید
کوئی شے بھی نہیں بے سود یہاں
یہ حقیقت ہے کہ تم بہتر ہو
مجھ میں تھوڑی سی کمی ہو تو ہو
یہ کمی پھر بھی نہیں معذوری
میں بھی تم جیسی ہوں، اچھی کہ بری
مجھ کو اپنے سے الگ مت سمجھو
مجھ کو اپنے سے جدا مت جانو
کارنامے جو نہیں کر سکتی
پھر بھی بیکار نہیں رہ سکتی
مجھ کو حیرت سے نہ دیکھو لوگو!

کہیں ایسا نہ ہو

تجھ پہ اے کاش کبھی وقت نہ آئے ایسا
نہ رہے دل کو مرے تیری وفا کی خواہش

میری آنکھوں میں ترا عکس بھی دھندلانے لگے
تیری آواز سماعت سے نہ ٹکرائے میری

تیرا انداز نیا دل کو مرے بھا نہ سکے
تیری شوخی سے میری جاں کو اذیت پہنچے

تیرا پرتَو میری ہستی پہ کبھی چھا نہ سکے
تو مجھے دہرِ پریشان میں آوازیں دے

اور ترے پاس میں بے ساختہ یوں آ نہ سکوں!

تقدیسِ محبت

سنا تھا میں نے دل سے دل کو جب اک ربط ہوتا ہے
فلک پر دھوم مچتی ہے زمیں پر شور ہوتا ہے

جہاں کے ذرّے ذرّے میں نیا اک نور ہوتا ہے
چمن میں گل مہکتے ہیں کہیں بلبل چہکتے ہیں

تناور پیڑ سے شاخیں لپٹ کر جھوم اٹھتی ہیں
سراپا حسن کا پرتو لیئے ہر صبح ہوتی ہے

تجلّی کا نیا عرفان لے کر شب گزرتی ہے
نگاہوں سے تقدس جھانکتا ہے لب سلگتے ہیں

بدن بھی حدتِ احساسِ الفت سے دہکتے ہیں
مقدس چال ہو جاتی ہے، لہجہ تمکنت سے پُر

خیال و خواب میں ڈوبی ہوئی ہر سوچ ہوتی ہے
دلوں کی دھڑکنیں اک نام پر مرکوز ہوتی ہیں

محبت جس نے بھی پالی اسے سب کچھ میسر ہے
زمین و آسماں کی ہر بلندی اس کو حاصل ہے

مگر یہ کیا کیا تم نے محبت کو گناہ کہہ کر
تخیل میں اُبھرتا ہر محل مسمار کر ڈالا
تقدس عبد اور معبود کا برباد کر ڈالا!

تلاش

یہ زندگی کی راہوں پر
تھکے تھکے' لٹے لٹے
بجھے بجھے' مٹے مٹے
یہ چل دیے ہیں ہم کہاں
ہے کس کی جستجو ہمیں

یہ سہمی سہمی کائنات
یہ اُلجھی اُلجھی سی حیات
یہ اجڑی اجڑی کہکشاں
بجھا بجھا سا ماہتاب
یہ شاخِ گل بھی جل گئی
شعورِ غم بدل گئی
یہ کارواں بھی لٹ گیا

یہ نقش بے نشاں ہوئے
ان اجنبی فضاؤں میں
یہ بے نوا ہواؤں میں
تلاش و جستجو تری
رہی سدا گلی گلی
نہ جائے گی مری کبھی
تڑپ یہ دل کی رائیگاں
یہ درد رنگ لائے گا
تمہیں تو مل ہی جاؤ گے
کہیں تو پا ہی لیں گے ہم!

پردیس میں بسنے والے کہو
کس حال میں ہو تم کیسے ہو
اس دیس کی گلیاں، کوچے تو
سنسان ہوئے تم جب سے گئے

یاں صبح کی لالی پھیکی ہے
یاں شام کا آنچل بھیگا ہے
دوپہر بہت ہی سونی ہے
اور رات کا عالم مت پوچھو
سناٹے سسکی لیتے ہیں
بے درد ستارے جل جل کر
اک آگ لگاتے ہیں دل میں
اور چاند کی ٹھنڈک آنکھوں میں

تصویر تیری لے آتی ہے
پھر پلکیں بھیگنے لگتی ہیں
یہ سانسیں رکنے لگتی ہیں
اور لمحہ اک اک ماضی کا
یہ قلب و جاں کو ڈستا ہے
پھر اس دل سے خوں رِستا ہے

ریٹائرمنٹ

زندگی کا میری یہ اہم موڑ ہے
آج ٹھہری ہوں آ کر میں اس گام پہ

جس جگہ منجمد دھڑکنیں ہوگئیں
دل میں جاگی ہوئی خواہشیں سو گئیں

لب پہ مچلے ہوئے لفظ چپ ہو گئے
ذہن میں سوچ کی لو بھی مدھم ہوئی

میرے ہاتھوں میں رعشہ سا آنے لگا
سحر خاموشی۔ اب مجھ پہ چھانے لگا

آج تک میں جو مصروف ہنگام تھی
کل سے تنہا اکیلی سی ہو جاؤں گی

میرے ساتھی جو اب ماتحت ہیں مرے
کل کو مجھ سے بھی آگے نکل جائیں گے

زندگی کے گھنے سبز جنگل میں یہ
بھولے بھٹکے کبھی مجھ سے ٹکرائیں گے

میری آواز پر چند رک جائیں گے
اور منہ پھیر کر کچھ نکل جائیں گے!

اقتدارِ زمانہ ہی جب نہ رہا
کون کس کو یہاں ہاتھ میں ہاتھ دے

اپنی تنہائی میں کوئی کیوں ساتھ دے
یہ تو دنیا ہے دنیا کا دستور ہے

راز اس میں بڑائی کا مستور ہے
دورِ ماضی کی اپنی الگ شان تھی

دورِ حاضر کی اپنی بھی پہچان ہے
میں جو تنہا ہوئی خود سے مل پاؤں گی

اپنی ہستی کو کچھ وقت دے جاؤں گی
اپنے ماضی کی یادوں کو دہراؤں گی

زندگی کے سفر میں مجھے کیا ملا
اور کھویا ہے کیا یہ سمجھ پاؤں گی

جو تھا میرا اثاثہ سبھی دیدیا
وقت ، محنت ، تجربہ ، لگن ، آگہی

میرے رب نے مجھے زندگی جتنی دی
شکر ہے رائیگاں ایک پل نہ گئی!

•

فیصلہ

یہی بہتر ہے ہم اک دوسرے سے دور ہو جائیں
کہیں ایسا نہ ہو دل سے بہت مجبور ہو جائیں

ہمارے راستے تو ہیں جدا' منزل کہاں ہوگی
میسر ہم کو ان حالات میں کیونکر اماں ہوگی

یہ مانا زندگی کی ہر خوشی تم سے مکمل ہے
مگر شامل تمہیں اس زیست میں کرنا بھی مشکل ہے

میں تنہا ہوں مجھے ہر دم یہاں تنہا ہی رہنا ہے
غمِ فرقت کا اک اک پل مجھے دن رات سہنا ہے

یہی بہتر ہے ہم اک دوسرے سے اب الگ ہو لیں
ملے جو گوشہ تاریک ہم چھپ کر بہت رو لیں
کہ ہے بہتر یہی ایک دوسرے سے دور ہو جائیں

خدشہ

مسلسل گر یونہی تم میرے سپنوں کو جگاؤ گے
بدل کر راہ اپنی تم مرے رستے پہ آؤ گے

زمانے بھر کی دولت ڈالنا چاہو گے جھولی میں
اگر میں روٹھ جاؤں بے سبب مجھ کو مناؤ گے

ستارے 'چاند' جگنو سے اندھیرا دور کر دو گے
خوشی کے ساز پر نغمہ مدھر ہر دم سناؤ گے

اگر یہ سلسلہ جاری رہا یونہی تو پھر ایک دن
مرے اندر جو بچیؔ سو رہی ہے جاگ جائے گی

پرایا دھن

تو مری آنکھ کی ٹھنڈک
تو مرے دل کا قرار
تو مری سانسوں کی گرمی
تو مری روح کا سنگھار
تو مرے جسم کا حصہ
تو مری سوچ کی دھار
تو مرا انگ مرا رنگ، مرا سب کچھ تو
پھر بھلا کیسے جدا میں تجھے اپنے سے کروں
رسمِ دنیا ہے یہی ریت بھی دستور بھی ہے
دل کے ٹکڑے کو کسی اور کے ہاتھوں دیدوں
یہ تمہاری ہے تمہاری ہے میں اُس سے کہدوں!

دوست

•

تجھے اے دوست میں اتنا بتا دوں
کہ تو میری اندھیری زندگی کا
سلگتا دیپ روشن راستہ ہے
چمکتا چاند ہے دستِ صبا ہے
مہکتا پھول ہے ابرِ وفا ہے
تجھی سے میری دنیا کو بقا ہے
ترے بن زندگی مجھ کو سزا ہے

قید

میں پنجرے کی قیدی
جسم ہے میرا پنجرہ
میرے اندر گھور اندھیرا
باہر ہے اجیارا
اس اندھیارے سے نکلوں تو
وہ اجیارا پاؤں
پنجرہ توڑ کے نکلوں
یا پھر کھڑکی سے اُڑ جاؤں

تتلیاں

کہیں جو تتلیاں مل جائیں مجھ کو
میں ان کے رنگ چھو لوں
انہیں بے رنگ کر دوں
پھر ان کو یہ بتا دوں
کہ جن رنگوں پہ وہ نازاں ہوئیں ہیں
وہ لمحے بھر کو ہیں اور پھر نہیں ہیں

ایک شام

میں ایک شام ترے ساتھ یوں گزار سکوں
کہ دور کوہ کے دامن میں ایک گوشہ ہو

جہاں پہ سبزہ ہرا، اک درخت قد آور
جہاں پہ سرمئی بادل کا عکس پانی پر

سکوتِ شام کے منظر میں رنگ سا بھر دے
سبک خرام ہوا دل کے تار چھیڑ چلے
سماعتوں میں تیری دھڑکنوں کا ساز بجے!

دیر کیوں کر دی

اگر کہنا ہی تھا تم کو تمہیں مجھ سے محبت ہے
میری ہستی تمہاری زندگی کی پہلی چاہت ہے

میرے دل کے دھڑکنے کی صدائیں تم ہی سنتے ہو
میری آنکھوں میں پنہاں خواب سارے تم ہی بنتے ہو

میرے لب پر سجی مسکان کا باعث بھی تم ہی ہو
میرے لہجے میں پوشیدہ سی یہ چاہت بھی تم ہی ہو

میرے دیوار و در میں گونجنے والی صدا ہو تم
میرے چاروں طرف پھیلی ہوئی مہکی فضا ہو تم

تم ہی ہو پیاس میری روح کی اور آس بھی تم ہو
تم ہی ہو راستہ میرا تو منزل بھی میری تم ہو
اگر یہ بات کہنی تھی تو اتنی دیر کیوں کر دی!

گیت

ایک وہ ہستی میں نے دیکھے جس کے کتنے رُوپ
کبھی وہ سائے کا منڈپ کبھی پہ اجلی دُھوپ

اسکے کارن میں نے سیکھے جینے کے انداز
اسکے دھیمے پن نے کھولے کتنے راز

اسکے سچے موتی جیسے اُجلے اُجلے بول
اسکے کارن کیسے کیسے بک جائیں بن مول

اسکی آنکھوں میں دیکھے ہیں جلتے بجھتے دیپ
اسکے سینے میں دل ایسا جیسے اُجلا سیپ

دیکھے میں نے اسکے اندر کیسے کیسے گھاؤ
پھر بھی کھیون ہار ہو اسکی ہاتھ لگے جو ناؤ

ہر چند اسکے پیچھے ہو گا سونا یہ آنگن
یاد سے اسکی رکھیں گے روشن ہم اپنا من

جسکی سنگت میں ہم ساتھی کتنی دور چلے
آج اسی کی لو سے اس رستے کے دیپ چلے

گیت

اک عمر میں اچھا لگتا ہے

جب جھومر سر پر بجتا ہے
کانوں میں جھمکا بجتا ہے
آنکھوں میں کجرا رچتا ہے
بالوں میں گجرا لگتا ہے
جب باہنہ میں کنگن بجتا ہے اِک عمر میں اچھا لگتا ہے

جب دل کو دھڑکنا آتا ہے
پھولوں کو مہکنا آتا ہے
قدموں کو بہکنا آتا ہے
باہنوں میں سمٹنا آتا ہے
جب جیون سپنا لگتا ہے اِک عمر میں اچھا لگتا ہے
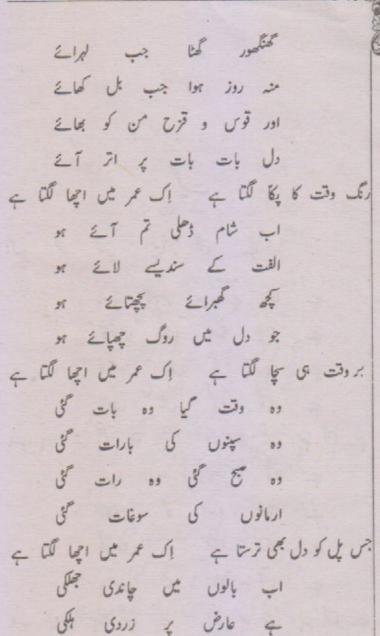
گھنگھور گھٹا جب لہرائے
منہ روز ہوا جب بل کھائے
اور قوس و قزح من کو بھائے
دل بات بات پر اتر آئے
رنگ وقت کا پکا لگتا ہے اک عمر میں اچھا لگتا ہے
اب شام ڈھلی تم آئے ہو
الفت کے سندیسے لائے ہو
کچھ گھبرائے پچھتائے ہو
جو دل میں روگ چھپائے ہو
ہر وقت ہی سچا لگتا ہے اک عمر میں اچھا لگتا ہے
وہ وقت گیا وہ بات گئی
وہ سپنوں کی بارات گئی
وہ صبح گئی وہ رات گئی
ارمانوں کی سوغات گئی
جس پل کو دل بھی ترستا ہے اک عمر میں اچھا لگتا ہے
اب بالوں میں چاندی جھلکی
ہے عارض پر زردی ہلکی

رنگین چندر سر سے ڈھلکی
ہر سانس ہوئی ہلکی پھلکی
ماضی جو خواب سا لگتا ہے اِک عمر میں اچھا لگتا ہے
سچائی یہاں پر باطل ہے
یہ وقت بڑا ہی قاتل ہے
مقدور کہاں اب ساحل ہے
تجدیدِ وفا لاحاصل ہے
یہ روگ جو سچا لگتا ہے اِک عمر میں اچھا لگتا ہے

جاوِداں محبت

محبت میں نے جو پائی تو کتنی رائیگاں پائی
اُسے اپنا کہا جس کو کبھی اپنا نہیں سکتی

عجب اک بے بسی ہے، بے کسی ہے اور اُداسی ہے
کہ دل میں ساز بجتے ہیں مگر میں گا نہیں سکتی

نہیں ممکن ہے اپنا ساتھ یہ واضح ہے روشن ہے
مگر دل کو یہی اک بات میں سمجھا نہیں سکتی

مٹا کر فرق سارے ساتھ اسکے دور تک جاؤں
میں اپنے آپ کو اس راستے پر لا نہیں سکتی

محبت کی سزا پائی ہے میں نے اور اس نے بھی
مگر میں جذبۂ دل کو کبھی جھٹلا نہیں سکتی

الٰہی مجھ پہ اتنا ظلم ایسا قہر کیا معنی
کہ اپنی آنکھ سے آنسو تلک ٹپکا نہیں سکتی

نہ جانے اس محبت کا مری انجام کیا ہوگا
جلائی ہے جو شمعِ دل فروزاں کب تلک ہوگی

بھڑک اُٹھا ہے جو شعلہ تپش اسکی کہاں تک ہے
خبر کیا آس کی اس رہگذر کا موڑ کیسا ہو

کسے معلوم میرا چاکِ دل کیونکر رفو ہوگا
میرے قدموں میں اسکا در کہ اسکی ٹھوکریں ہونگی

میری آنکھوں میں اسکے خواب ہونگے یا پریشانی
مجھے خود جذبۂ بے لوث پر ہے اپنے حیرانی!

مگر کچھ سوچ کر دل کو تسلی اپنے دیتی ہوں
محبت میں خسارہ بخت والوں کا مقدر ہے

جسے چاہو اسے پانا ضروری تو نہیں ہوتا
اگر ہے جذبۂ صادق تو غم کس بات کا مجھ کو

میرے دل کی جگہ سینے میں اسکی دھڑکنیں ہونگی،
میری آنکھوں میں اس کا عکس ہوگا روشنی ہوگی

میرے مالک مجھے اس بات پر تو مطمئن رکھنا
محبت میں نے جو پائی ہے کتنی جاوداں پائی!

دُعا

الٰہی دولتِ علم و عمل دے
محبت سے دھڑکتا ایک دل دے
الٰہی جذبۂ ایماں عطا کر
شعورِ معنیٔ قرآن عطا کر
الٰہی وسعتِ فکر و نظر دے
یہاں رسمِ وفا کو عام کردے
الٰہی اپنے دامن میں چھپالے
مصیبت رنج و آفت سے بچالے
الٰہی زندگی میں راستی دے
سیاست میں شعور و آگہی دے
محبت کا رہے اب بول بالا
یہاں کی ہر گلی میں ہو اُجالا
ہمارا ذکر وردِ مصطفےٰ ہو
ہمیں دیدارِ احمد مجتبیٰ ہو
الٰہی عیش کا سامان کر دے
ہماری موت کو آسان کردے
مقام سخت ہے دیدے سہارا
نہ کر مایوس ہم کو اب خدارا
(آمین)

خاموش دستک

جب مری روح کے سناٹے میں

کبھی گرتا ہے اگر سوچ کا پتھر کوئی

گونج ہونٹوں پر اُبھر آتی ہے

اور الفاظ میں ڈھل جاتی ہے

شعر کے پھول، غزل کے پودے

میرے ہر سمت بکھر جاتے ہیں

اور پھر فکر کے دروازے پہ

مدتوں اُنکی مہک اور خوشبو

دیے جاتی ہے مُسلسل دَستک!!

رضیہ سبحان قریشی اعلیٰ تعلیم یافتہ شاعرہ ہیں۔ درس و تدریس سے وابستہ ہونے کی بنا پر اُن کے مزاج میں ایک خاص قسم کا رکھ رکھاؤ پیدا ہو گیا ہے جس کی جھلک اُن کی شاعری میں بھی نظر آتی ہے۔ اس سے قبل اُن کی ایک کتاب "سرد آگ" شائع ہو چکی ہے جس کا ایک خاص پہلو اُن کے منظوم تراجم سے متعلق تھا۔ یہ تراجم انگریزی نظموں کے تھے اور ان میں شاعری کی خوبیاں بڑے سلیقے سے در آئی تھیں۔

زیرِ نظر مجموعہ رضیہ سبحان کی غزلوں اور نظموں پر مشتمل ہے۔ رضیہ سبحان غزل کے تنوع کو ملحوظ رکھ کر اس کی مختلف جہات سے فائدہ اُٹھاتی ہیں۔ ذاتی زندگی، جذبات واحساسات، سماجی ماحول کے اثرات اور کائنات کے بعض گہرے رنگ اُن کے تخلیقی جوہر سے ہم رشتہ ہو جاتے ہیں۔ اُن کی نظموں میں ایک خاص آہنگ اور کیفیت ہوتی ہے۔ نظم کے لئے ضروری ہے کہ وحدتِ تاثر قائم رہے۔ رضیہ سبحان کی نظمیں اس معیار پر پوری اُترتی ہیں۔ مجموعی طور پر اُن کا کلام لائق مطالعہ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ادبی حلقوں میں اس مجموعے کی خاطر خواہ پذیرائی ہو گی۔

پروفیسر سحر انصاری